قافلۂ صدق و صفا ، کاروانِ عشق و وفا ، فرسانِ حماس کے ایک جانباز غازی و مجاہد اشرف البعلوجی کا تذکرہ مجاہد فلسطین شیخ یحیی سنوار شہید کے قلم سے

اشرف البعلوجیؒ

تصنیف

مجاہد ملت شیخ یحییٰ سنوار شہید

ترجمہ

حامد قاسم

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنھیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سِمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کِشور کشائی

مقدمہ

الحمدللہ و الصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، قال اللہ تعالیٰ :
أذن للذین یقاتلون بأنهم ظلموا ، و إن اللہ علی نصرهم لقدیر.

حمد و ثناء اسی قادر مطلق مختار کل رب الجہاد و المجاھدین اللہ عزوجل کے نام جس نے جہاد فی سبیل اللہ جیسا مقدس و مطہر فریضہ عطا کرکے امت مسلمہ کو سرفراز و سر بلند فرمایا ، مزید جہاد کی اہمیت کو ذروۃ سنامہ کا تمغۂ امتیاز عطا فرما کر اسے محکم و قطعی فریضہ بنا دیا ، یہ جہاد ہی کی برکات ہیں کہ چودہ سو سال سے امت مسلمہ کے جانباز و شہسواران ، مظلوم و مقہور بلاد و اراضی کو پنجۂ استبداد سے چھڑاتے آئے ہیں ، جہاد ہی کی برکات سے افغانستان آج توحید کے نغموں سے گونج رہا ہے ، ملک شام سارا ہی خیر بلاد الأرض کا حقیقی مصداق بننے جا رہا ہے ، ارض مقدسہ ان شاءاللہ آزادی و حریت کے دہانے پر ہے ، دنیا مہدیٔ منتظر کی منتظِر ہے ، خدا کی زمین پر خدا کا نظام نافذ ہونے کو ہے ، جہاد اپنی کرشمہ سازی سے آنکھوں کو خیرہ کررہا ہے ، یہ جہاد کی برکات ہے ، اس کی فرضیت و [1]اہمیت ، افادیت و عظمت سے انکار ہر گز نہیں کیا جا سکتا ہے ، اس کی فرضیت کا منکر بالکل اسی طرح کافر ہے جس طرح نماز کی فرضیت کا منکر کافر ہے ، علماء فرماتے ہیں کہ جہاد کو ناپسند کرنے والا بھی جنت تک رسائی نہ پاسکے گا ، جہاد ہمارا مذہبی مسئلہ ہے ، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب جہاد کا موقع آیا تو آپ مسجد نبوی میں نہیں رہے بلکہ دشت و صحرا جنگلات و بیابان کی راہ چل پڑے ، یاد رکھیں کہ بغیر جہاد کے انقلاب ممکن نہیں ہے ، بغیر جہاد کے پھنکارتے پھن کچلے نہیں جاسکتے ، بغیر جہاد کے مظلوموں کے لہو پی کر سیراب ہونے والی فصلیں کاٹی نہیں جاسکتی ، دشمنانِ اسلام کے کبر و نخوت سے بھرے سر ، سرنگوں نہیں کیے جاسکتے ، جہاد ہی وہ واحد راستہ ہے جس کے ذریعے ہر شیطان کو ختم کیا جا سکتا ہے ، جہاد رب کا حکم ہے ، دین کا بلند ترین شعبہ ہے ، لیکن ہماری غفلت الامان الحفیظ ، جبکہ دشمن ہمیں للکار رہا ہے ،بابری مسجد کی اینٹیں اس کے در و دیوار ہمیں صدائیں دے رہے ہیں، سلاخوں تلے دبے اسیرین ہماری راہ تک رہے ہیں، ذرا اپنے بازؤں اور یہودیوں کے بازؤں کا موازنہ کرو یہاں کسی پچیس سال کے نوجوان سے کہو کہ تمہیں مظلوموں کی امداد کرنی

ہے، بابری مسجد کے لیے ہاتھ میں کلاشنکوف لیے کافروں سے برسر پیکار ہونا ہے، تو یہ سن کر وہ سراسیمگی میں مبتلا ہوجاتا ہے، پھر کہے گا کہ مجھے پسٹل چلانا نہیں آتا، مجھے کلاشنکوف چلانا نہیں آتا، مجھے دشمن پر ہینڈ گرنیڈز پھینکنا نہیں آتا ،مجھے راکٹ لانچر چلانا نہیں آتا ،یہی بات کسی اسکول سے لوٹتے ہوئے یہودی طالب علم سے پوچھیے کہ بتا اے یہودی ،اگر تیرے ہاتھ میں پستول دے دیا جائے تو کیا تو چلاسکے گا ؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے اٹھارہ طریقوں سے پستول چلانے کی تربیت حاصل کی ہے ، ذرا سچے دل سے یہ بتائیں کہ کیا آپ نے بھی یہ سنا کہ اسرائیل نے اتنے اتنے میچ جیتے، یا یہ کہ اس کی کرکٹ یا ہاکی ٹیم ہے، وہ کرکٹ اور ہاکی نہیں کھیلتے، وہ ہمارے سروں سے کھیلتے ہیں، وہ ہمارے تن بدن کو اپنے کھیل کود اور ذہنی تفریح کا تختہ مشق بناتے ہیں ، انہیں شب و روز بس یہی ایک دھن سوار ہے،لیکن ذرا ہمارے قصبوں دیہاتوں اور شہروں کا گشت لگائیں ،گیند اور بلا اٹھائے، ہر ایک خود کو بہادر خیال کررہا ہے ،جس قدر ممکن ہو کر کیٹر بننے کی بے جا کوشش کررہا ہے، بلکہ بعض جگہوں پر مستقل میدان ہیں، جہاں گھوڑ سواری بھاگ دوڑ کے مقابلے نہیں، بلکہ کرکٹ کے عاشق اپنی قسمت آزمائی کرتے ہیں، ساری کوششیں ساری توانائیاں اسی میں صرف ہورہی ہیں ،ذرا سی فراغت ہوئی ،گیند اور بلا لیکر کھیل گاہ کی سمت چل پڑے ،کاش کہ ان ہاتھوں میں اسلحہ ہوتا، تو مسلمان کتنا اچھا لگتا ، پھر جب جہاد سامنے آتا ہے تو کنی کتراتے ہیں ، ،شرعی اصطلاحات میں تحریف کرتے ہیں، پھر رب کی نصرت تلاش کرتے ہیں، رب کی نصرت کے لیے بستر اٹھا کر شرعی اصطلاحات میں تحریف نہیں کرنی ہوتی بلکہ عملی جہاد کے میدان میں نکل کر اپنا سر پیش کرنا پڑتا ہے ، پھر فرشتوں کے لشکر اترتے چلے آتے ہیں۔

ہماری پسماندگی کی ایک وجہ یہ ہے کہ جمہوریت اور مساوات جیسی خوش کن اصطلاح سے ہمارے ذہنوں کو مغرب زدہ بنادیا گیا ، اور مغربی جمہوریت پھر اسلام کی ترقی کے لیے مانع بن گئی ، کیوں خلافت و جمہوریت دونوں متضاد چیزیں ہیں ، قرآن میں عالم و غیر عالم میں فرق کیا گیا ہے جبکہ جمہوریت میں سب کا ووٹ برابر قرار دیا گیا ہے ، قرآن کے مطابق حاکمیت صرف اللہ کی ہے ، جبکہ جمہوریت میں حاکمیت عوام کی ہے ، قرآن کے مطابق اکثریت بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہے ، جبکہ جمہوریت میں حق کا معیار اکثریت ہے ، قرآن کے مطابق حاکم بننے کے اہل وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ، جبکہ جمہوریت میں ہر ایک حاکم بن سکتا ہے ، حدیث کے

مطابق جو حکومت طلب کرے وہ اس کا اہل نہیں ، جبکہ جمہوریت میں حکومت کا مہذب طریقے سے مطالبہ ہوتا ہے ، حدیث کے مطابق جس قوم کی حکمران عورت بنتی ہے وہ فلاح نہیں پاتی ، جبکہ جمہوریت میں عورت حکمراں بن سکتی ہے ، جب اس قدر دونوں میں تضاد ہے تو بھلا کیوں کر اسلام کی آبیاری اور کلمۃ اللہ کی سربلندی ہو سکتی ہے ،

الکشن ممبری کونسل صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

گر ایں جمہوریت انتخابات است عذاب است و عذاب است و عذاب است

دریں ایام می بینی و می بینم کہ بر مردار غوغائے کلاب است

اسلام کی سر بلندی کماحقہ جہاد سے ممکن ہے ، جہاد کا مقصد فساد نہیں ہے بلکہ یہ تو فسادیوں کا علاج ہے ، جہاد دہشت گردی نہیں بلکہ دہشت گردوں کا علاج ہے ، جن مقاصد کے تحت جہاد کیا جاتا ہے وہ سراسر انسانی حقوق پر مبنی ہیں ، عقل سلیم اگر اس بابت گوشۂ تنہائی میں سوچ و فکر سے کام لیں تو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ قرآن کے مطابق جہاد کے مقاصد میں مقبوضہ علاقوں کی بازیابی ، کمزوروں کی مدد ، مقتولین کا قصاص ، جزیے کا حصول ، عہد شکنی کی سزا ، اپنا دفاع ، عبادت گاہوں کا دفاع ، فتنوں کا خاتمہ ، اور اسلام کا غلبہ شامل ہے ، عقل و خرد کے دعویدار کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ انسانی حقوق کے خلاف ہے ؟ جب عقول تشکیک زدہ ہو جائیں قلب و جگر مغرب کے پرستار ہوجائیں اور تن و من جمہوریت کے دلدار ہوجائیں تو یا تو وہ جہاد کا انکار کرتے ہیں یا پھر جہاد سے بچنے کے حیلے حوالے تلاش کرتے ہیں اور تاویلات فاسدہ کے دروازے کھول لیتے ہے ، کبھی اولا اعمال کی تصحیح اور ایمان کی مضبوطی کی شرط کا بہانہ تلاشتے ہیں ، اسی قبیل سے جہاد اصغر اور جہاد اکبر کی ابحاث ہیں ، جہاد کے لیے ایمان کی مضبوطی کی شرط لگانا سوائے نفس پرستی کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جب نماز روزہ زکوۃ حج ایمان کی کمزوری کے باوجود ادا کیے جاسکتے ہیں تو پھر جہاد جیسا عظیم الشان عمل کیوں نہیں کیا جاسکتا ؟ اگر نیک حکمراں کے لیے اعمال کی تصحیح ضروری ہے تو جہاد بھی ایک عمل ہے اس کی بھی تصحیح کی جائے تاکہ نیک حکمراں حاصل ہو ، " نفس کے ساتھ جہاد جہاد اکبر ہے " کی منطق سوائے مفروضے کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی ہے ، کیوں کہ نفس کے ساتھ جہاد کی نوعیت جداگانہ ہے ، نماز کے لیے نفس

کو تیار کرنا ، روزے کے لیے نفس کو تیار کرنا ، زکوٰۃ کے لیے نفس کو تیار کرنا بلاشبہ مجاہدے کا کام ہے لیکن جہاد کے لیے نفس کو تیار کرنا دیگر اعمال سے بڑھ کر مجاہدے کا کام ہے ، یہی وجہ ہے کہ جہاد کا سب سے بڑا دشمن نفس ہے ، لہذا نفس کے ساتھ جہاد کا مطلب یہ ہوا کہ نفس کو جہاد کے لیے تیار کیا جائے ، کیوں کہ جہاد کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے ۔

الغرض جہاد فی سبیل اللہ ایک عظیم تحفہ ہے ، اس میں سستی اور کوتاہی سوائے شومیٔ قسمت اور حرماں نصیبی کے کچھ بھی نہیں ، جب تک امت میں قرآن اور تلوار ساتھ ساتھ تھے تب تک امت عزت و شرف ، احترام و افتخار کے ساتھ زندگی جی رہی تھی لیکن جوں ہی دونوں بعد پیدا ہوا تو امت مسلمہ زخم خوردہ ہو کر رہ گئی ، اقبال نے اسی حقیقت کو چند لفظوں میں بیان کیا :

این دو قوت حافظ یک دیگرند ۔۔۔ کائنات زندگی را محورند

تا مسلمان کرد با خود آنچہ کرد ۔۔۔ گردش دوران بساطش در نورد

مرد حق از غیر حق اندیشہ کرد ۔۔۔ شیر مولا روبہی را پیشہ کرد

یہ دونوں قوتیں (تلوار اور قرآن) ایک دوسرے کی محافظ ہیں اور زندگی کی کائنات کا محور ہیں ، زندگی انہی دو کے گرد گردش کرتی ہے ، یہاں تک کہ مسلمانوں نے اپنے آپ سے کیا جو کچھ کیا اور زمانے کی گردش نے ان کی بساط لپیٹ دی ، اللہ کے یہ بندے غیر اللہ سے ڈرنے لگے، مولا کے اس شیر (مسلمان) نے لومڑی کا پیشہ یعنی بزدلی اختیار کرلی ۔

واقعی جہاد سے غفلت نے مسلمان کو کس قدر ذلت و خواری کی کھائی میں دھکیل دیا ہے ، مسلمانوں کی وہ تہذیب و ثقافت ، عظمت و وقعت سبھی کچھ لوٹ لیا گیا ، حکمراں کے عادل ہونے کا تصور ، تلواروں کی جھنکار میں قرآن و نماز کی حلاوت میدانوں میں پروان چڑھنے کا جذبہ ہی کافور ہوچلا ہے ، سلام ہو ان بہی خواہان قوم پر جو ہمہ وقت ظلم کی آندھیوں سے ٹکرانے کا ہنر رکھتے ہیں ، جن میں شبانہ روز امت کے مظلومین کا درد جوالہ بن کر قلب و جگر کو جلا رہا ہوتا ہے ، جن کا جینا مرنا سبھی کچھ جہاد کے لیے ہوتا ہے ، دین خداوندی کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے ہیں ، جن کی راتیں رب سے باتیں کرتے ہوئے مصلے کی پشت پر گزرتی ہیں ، جن کی فطرت و طبیعت میں صالحیت و سالمیت ہے ، جن میں جذبۂ جہاد خوں کی طرح گردش کر رہا

ہے ، وہ رب سے ملاقات کے مشتاق ہیں، شہادت کے لیے بے قرار ہیں ، دین اسلام کے پہرے دار ہیں ، وہ میدانوں کے غازی اور شہسوار ہیں ،اہلِ ایمان پر ہوتے ظلم و ستم پر وہ دل فگار ہیں ، وہ ہم نوائے خالد و ضرار ہیں ، جن میں صدیق کی صداقت ، فاروق کی عدالت ، عثمان کی سخاوت ،اور علی کی شجاعت ہے ، جن میں امیر معاویہ ؓ کی سیاست، ابو عبیدہ جیسی امانت کوٹ کوٹ کر بھری ہے ، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنے دین کی سربلندی کے لیے قبول کرلیا ہے ، لیکن زخم خوردہ امت کا حال دیکھ کر دل زخمی زخمی ہے ، فلسطین کا حال کسی سے مخفی نہیں ہے عزم و ہمت ، صبر و استقامت کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اجداد سے صبر و استقامت کا وافر حصہ پایا ہے ، وہ کتنے اپنے کھو چکے ہیں ، ظلم و ستم کی حدیں متجاوز ہوچکی ہیں، جن کے آشیانوں سے بم و بارود کے دھوئیں شب و روز اٹھتے رہتے ہیں، پھر بھی استقامت دیکھیے قلت کے شکار ہوکر بھی صبر و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دشمن سے بر سر پیکار ہیں، اور ہم کثرت میں ہیں ، لیکن پھر بھی ظلم و ستم کی چکی چلتی رہتی ہے، سب کے منہ پر تالے لگے ہیں، کوئی عملی طور پر پیش قدمی کرنا ہی نہیں چاہتا، فلسطین جل رہا ہے لیکن پھر بھی اقوامِ متحدہ کو یہ ظلم کیوں نظر نہیں آتا ، ماؤں بہنوں کی آہ و بکا ، نالۂ فریاد خیموں چھپروں میں بلند ہوکر وہی دب کے رہ جاتی ہے، انہیں پتہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی ہمارے لیے کیا کرسکتا ہے ،مسلمان حکمران کہاں ہماری امداد کو آئیں گے ! وہ تو اپنے خوابوں خیالوں میں مست ہیں، جائیے بھی فلسطین کا دورہ کیجئے، اور جائزہ لیجئے کئی گودیں اجڑی ہوئی دکھائی دیں گی ،کئی سہاگنوں کا سہاگ چھین چکا ہے ، جس کا دل خراش نشان ان پر واضح نظر آئے گا، جن گھروں میں قہقہوں کی فضائیں تھیں ، وہ گھرانے سوگوار نظر آئیں گے ، جہاں بھی حسرت و غم کا سایہ تک نہ تھا، وہاں آج بزمِ عشرت بزمِ ماتم نظر آئے گی، جہاں ساحل کے سرے کھڑے باد نسیم میں لہلہاتے سبز چادر تانے حسن بکھیرتے درخت باد سموم سے خشک نظر آئیں گے ، نالوں کی زینت کو دوبالا کرتا، بل کھاتا پانی آج ظلم سے سرخ ہوچکا ہے، لیکن جہاد پھر بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ جاری ہے، مائیں اپنے بچے دے رہی ہیں ،اپنے شہزادوں کے سروں پہ ہاتھ پھیر کر قافلۂ حق کے ہمراہ رخصت کررہی ہیں ، ایک ہم ہیں اس قدر بد قسمت ہیں کہ آزمائش کے بھی لائق نہیں اہل فلسطین اہل افغانستان اہل برما وہ اس قابل تھے کہ خدا انہیں آزماتا کیوں کہ آزمائش بقدر ایمان آتی ہے اور رہے ہم تو ایمان خالی ہیں ، ہمیں تو دشمن نے جمہوریت اور کرکٹ میں پھنسا رکھا ہے جبکہ فلسطین مکمل طور پر تباہ ہوچکا ہے ، کاش کہ مسلمانوں کو بھی کوئی ایسا حکمران مل

جاتا جو ان کی داد رسی کرتا ، ان کے لیے جان نچھاور کرتا ، ہندوؤں کو مودی مل گیا ، عیسائیوں کو ٹرمپ مل گیا ، اور یہودیوں کو بن یامین نیتن یاہو مل گیا لیکن افسوس ہمیں کوئی مخلص حکمران نہیں مل سکا جو بھی آیا اپنی بانسری بجائی اپنا راگ الاپا اور چلتا بنا ، اہل فلسطین کی حالت زار ناقابل دید و بیاں ہے حکمرانوں کی خاموشی اور منافقت عروج پر ہے ، جب مسلمانوں کی تلواریں زنگ آلود ہوجائیں اور گھوڑے شادیوں میں رقص کرتے نظر آئیں تو سمجھ لو کہ تباہی ہماری منتظر ہے ، آج اپنوں کا خوں اتنا منجمد ہوگیا ہے کہ سب ک ھ دیکھ کر کانوں سے سن کر بھی دل میں درد نہیں اٹھتا ، فلسطین کا صفایا ہوچکا ہے لیکن سر پہ جوں تک نہیں رینگتی ، حقیقت یہ ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ غزہ پٹی کو جو پانچ مرکزی صوبوں پر مشتمل ہے، منظم طریقے سے مٹایا اور تباہ کر دیا ہے ،

رفح صوبہ : اسے مکمل طور پر مٹا دیا گیا ہے، اس کے باشندوں کو نسلی طور پر صاف کر دیا گیا ہے اور اس پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔

خان یونس صوبہ : مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے اور رہائش کے لائق نہیں رہا ہے ، وسطی صوبہ: 30٪ تباہی کا شکار ہوا ہے اور مسلسل بمباری کے نتیجے میں تباہی بڑھتی جارہی ہے ،

غزہ صوبہ : اس کے 70٪ علاقے کو تباہ کر دیا گیا ہے اور 70٪ باشندوں کو نسلی طور پر صاف کر دیا گیا ہے، اس کی 40٪ سے زیادہ زمین پر قبضہ کر لیا گیا ہے،

شمالی غزہ : مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے، اس کے باشندوں کا نسلی صفایا کر دیا گیا ہے، اور اس کی زمین پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا گیا ہے ، اس مسلسل جارحیت کے نتیجے میں 50,000 سے زیادہ افراد شہید ہو چکے ہیں اور 200,000 سے زیادہ زخمی ہو چکے ہیں، اور نسلی صفایا اور تباہی کا سلسلہ بغیر کسی وقفے کے جاری ہے ، کہاں ہیں حقوقِ انسانی کی رٹ لگانے والے ؟ کہاں ہیں مساوات کا درس دینے والے ؟ ان مسلم حکمرانوں کو کیا ہوگیا ہے ؟ آج اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو کب کا ایک لشکر جرار روانہ کر چکے ہوتے ، آج اگر عمر فاروق زندہ ہوتے تو ہرگز یہ ظلم ستم گوارا نہ کرتے ، گریٹر اسرائیل کا خواب دیکھنے والے اب تک خاک و خون میں تڑپ رہے ہوتے ، گھڑی کی سوئیاں ایک بجا رہی ہیں ، شب کی اس تاریکی میں بابری مسجد کی بار بار یادیں زخم کو تازہ کر جاتی ہیں ، کل یوم الجمعہ ٦ دسمبر ہے ، ہماری کوتاہی کے سبب جہاد سے دوری کی

وجہ سے اسی روز دشمنانِ اسلام نے ہماری پیاری مسجد کو شہید کرکے حرام مندر بدنام مندر تعمیر کردیا ، اور ہمارے ضمیروں نے جنازے پڑھ لیے ۔

مبارک ہو اے طالبان ، مبارک ہو اے شہ سوارانِ حماس تم نے جہاد کو زندہ کیا ، دلوں کو مسرت کی بہاروں سے شاداں و فرحاں کردیا ، مضمحل چہروں کو تروتازگی بخش دی ، برسوں پرانی دعاؤں میں مانگی مرادیں بر آئی ، اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ جب مادی قوت و طاقت کا روحانی طاقت و قوت سے اجتماع ہوتا ہے تو مادی قوت ہار جاتی ہے، روحانی قوت جیت جاتی ہے ، اے مجاہدینِ اسلام تم نے کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے عالم اسلام میں ہمت و حوصلگی ، زیست و زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کردی، اے اللہ تیری طاقت بہت بڑی ہے تیری قوت کے سامنے دنیا بھر کی ساری ہی طاقتیں ہیچ ہیں، یہ چند مشت بھر تیرے پراسرار بندے ، خود کو سپر کہنے والوں سے ٹکرا گئے، تیرے نافرمانوں فرعونوں کی سازشیں طاقتیں مکڑی کے جالے ثابت ہوئی، اے اسلام کے بے بال و پر شاہینوں کیا یہ جہاد کے نتیجے میں ملنے والی فتح و کامرانی قدرتِ خداوندی کا عجیب و انوکھا شاہکار نہیں ہے ؟ ایک ایسے وقت میں جب جہاد کا سورج غروب ہوا جارہا تھا ، حماس کی پرجوش تحریک نے رات کے تھکے ہارے مسافروں کو نویدِ سحر سنائی، خوابیدہ و خفتہ حوصلوں کو عزم نو بخشا پرکیف زندگی سے مایوس امارت اسلامیہ سے ناامید افراد کو چراغِ زندگی کے فروزاں ہونے کی اطلاع دی ، سحابِ ظلمت کے چھٹنے، موسمِ خزاں کے رخصت ہونے اور فصلِ بہاراں کی آمد سے باخبر کیا ،سردی سے ٹھٹھرتے لوگوں کو اپنے حوصلوں اور اپنے لہو سے حرارت اور جلا بخشی، ظلم و ستم کے ریگستانوں میں بھٹکتے بادیہ نوردوں کو نخلستانوں کی اہمیت سے آشنا کیا ، بحر بیکراں کی موجوں سے ناواقف بحر ذخار کی لہروں سے نا آشنا افراد کو تموجِ دریا سے واقف کروایا ، نامرادی مایوسی کی شکنوں کو چہروں سے کافور کیا اور آج درافشاں ستارے بن کر ابھرے ہیں نقاب پوش کتائب القسام کا نشاں سر پہ سجائے اسلحہ اٹھائے رب کی طاقت و قوت پر بھروسہ کیے ہوئے، صالحانہ لباس میں ملبوس اسلامی طرزِ حیات کو گلے لگائے ہوئے اعلاء کلمۃ اللہ کا جھنڈا لہرارہے ہیں ۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

الحمدللہ شامی مجاہدین نے بھی اب محاذ کھول دیے ہیں فتوحات کا سلسلہ جاری ہے ، ان شاءاللہ افغانستان کا وہ کردار شام و فلسطین میں بھی دہرائے گا ، یہ جنگ جاری رہے گی یا موقوف ہو جائے گی اس بابت کچھ نہیں کہا جاسکتا ممکن ہے یہ جنگ تیسری جنگ عظیم کا پیشہ خیمہ ہو ، شاید نیتن یاہو ہی دجال کا استقبال کرے ، واللہ اعلم

ہمارا کام یہ ہے کہ جو جان لگا سکتا ہے وہ جان لگا دے ، جو مال لگا سکتا ہے وہ مال لگائے ، جو زبان کھول سکتا ہے وہ زبان کھولے ، جو لکھ سکتا ہے وہ قلم کو حرکت دے ، جو کچھ نہیں کر سکتا تو کم از کم دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیا کرے۔

وَ لَرُبَّ نازِلَةٍ يَضيقُ لَهَا الفَتى ذَرعاً وَعِندَ اللهِ مِنها المَخرَجُ

ضاقَت فَلَمّا اِستَحكَمَت حَلَقاتُها فُرِجَت وَكُنتُ أَظُنُّها لا تُفرَجُ

ترجمہ : اور آنے والی کتنی ہی مشکلات ایسی ہیں جن سے انسان تنگ ہو جاتا ہے، لیکن اللہ کے ہاں سے ان کا حل نکل آتا ہے ، مشکلات بڑھ گئی اور جب ان کی گرہیں مضبوط ہوگئی تو کشادگی کردی گئی حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ کشادگی نہیں کی جائے گی۔

مختصر تاریخ فلسطین

فلسطین کی تاریخ کا آغاز تقریباً 3000 سال قبل مسیح سے ہوتا ہے جب یہ علاقے کنعانی لوگوں کے زیر اثر تھے کنعانی لوگ زراعت اور تجارت میں ماہر تھے، اور مختلف شہروں جیسے یروشلم، یریحو اور غزہ کی بنیاد رکھی ، حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے ہجرت کرکے فلسطین جا بسے ، وہیں آپ کی اولاد پروان چڑھی ، حضرت اسحاق کے فرزند حضرت یعقوب اور ان کے پسر نیک حضرت حضرت یوسف علیہ السلام بقضائے الٰہی بازارِ مصر جا پہنچے جس کا مفصل ذکر قرآن پاک میں ہے ، بالآخر یعقوب علیہ السلام بھی مصر آ بسے جہاں ان کی حکومت 430 سال تک قائم رہی ، یہ نسل بڑھتی گئی ، جو بنی اسرائیل کہلائی ، موجودہ اسرائیلی اسی نسل سے ہیں ، جب بنی اسرائیل کا دور ختم ہوا، تو ایک نیا فرعون آیا جس نے بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی تعداد اور طاقت کو خطرہ سمجھا ، اس نئے فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ مصر کی معیشت کے لیے

کام کریں ، فرعون نے بنی اسرائیل کو سخت محنت اور مشقت کا شکار بنایا ، انہیں تعمیرات، کھیتوں، اور دیگر کاموں کے لیے استعمال کیا گیا ، ان پر سختیوں کے علاوہ انہوں نے بچوں کو پیدا ہونے سے پہلے قتل کرنے کا بھی حکم دیا تاکہ ان کی تعداد کم کی جا سکے ، اللہ عزوجل نے اس ظلم کے خاتمے اور لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا ، جن کے ذریعے فرعون اپنے انجام کو پہنچا ، بائبل اور اسلامی روایات میں اس فرعون کا نام "فرعون" ہی ہے، جو کہ ایک لقب کی حیثیت رکھتا ہے ، کچھ تاریخی مکاتب فکر میں اسے "رمسیس" (Ramses) یا " توت انخ آمون" (Tutankhamun) سے منسوب کیا گیا ہے ، جس کی پختہ صراحت نہیں ملتی ہے ، بعض مؤرخین اس دور کو تقریباً 13 سے 12 سو قبل مسیح کے درمیان قرار دیتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو قرآن کریم کے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے ، مختصراً یہ کہ فرعون کو بحر قلزم میں غرق کردیا گیا اور اللہ نے بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی ، بحر قلزم، جسے انگریزی میں Sea Red کہا جاتا ہے، ایک اہم سمندری راستہ ہے جو مشرقی افریقہ اور عرب کے درمیان واقع ہے ، بحر قلزم جنوب میں عدن کے خلیج سے اور شمال میں سوئیز کینال کے ذریعے بحیرہ روم سے جڑتا ہے ، یہ سٹریٹ آف باب المندب کے ذریعے بحر ہند سے بھی جڑا ہوا ہے ، یہ تقریباً 2,300 کلومیٹر لمبا اور 300 کلومیٹر چوڑا ہے ، بنی اسرائیل بحر قلزم سے ہوتے ہوئے وادیٔ تیہ میں آ گئے ، یہاں کیمپ لگا لیے ، اللہ نے ان ناشکروں پر اپنی نعمتوں کے دہانے کھول دیے ، آسمان سے من و سلویٰ اتارا ، سایہ کے لیے بادلوں کو سائبان بنا دیا ، یہیں تورات عطا ہوئی انکار پر پہاڑ کو معلق کیا گیا۔

فائدہ : میدان تیہ مصر اور شام کے درمیان ستائیس میل کا ایک وسیع و عریض میدان ہے ، اسے "وادی تیہ" اور "صحرائے سینا" بھی کہتے ہیں ،یہ جزیرہ نما سینا کا ایک حصہ ہے، ملحل جزیرہ نمائے سینا تقریبا 67 ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے ، فی الحال یہ خطہ عربی جمہوریہ مصر کا حصہ ہے ،اس کے شمال میں بحیرہ روم، مغرب میں خلیج سویز اور نہر سویز، مشرق میں فلسطین (غزہ کی پٹی اور اسرائیل ،(خلیج عقبہ، اور جنوب میں بحیرہ احمر(لال سمندر، بحر قلزم) واقع ہے ، اسے براعظم افریقہ اور ایشیا کے درمیان لنک سمجھا جاتا ہے، اس وادی سے اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے بہت سے آثار وابستہ ہیں، اسی میدان میں بنو اسرائیل اپنے نبی حضرت موسیٰ کے ساتھ گستاخانہ اور عدم تعاون کا رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے

چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہے ، "تیہ" عربی زبان کا لفظ ہے،جس کے معنی ہیں سرگرداں رہنا، گھومتے رہنا ، تیہ لق و دق بیابان یا ایسے بیابان کو بھی کہتے ہیں جس میں مسافر گم ہو جائے ، اسی خطہ میں واقع پہاڑ کو قرآن کریم میں "طور سینا" بھی کہا گیا ہے اور "طور سینین" بھی ، اسے "جبل موسیٰ اور جبل طور" بھی کہتے ہیں ،"سینین" دراصل جزیرہ نمائے سینا ہی کا دوسرا نام ہے، اب یہ سارا ہی علاقہ جس میں کوہ طور واقع ہے ، جو اب مصر کے قبضہ میں ہے، "صحرائے سینا" کے نام سے مشہور و معروف ہے ، سینین بنیادی طور پر اس خطہ کا نام ہے؛ البتہ اس کے کئی اور معانی بھی آتے ہیں، جن میں "خوب صورت، اچھا، وہ پہاڑ جس پر گھنے یا پھل دار درخت ہوں،شامل ہیں ، طور سینین کو سورۃ المومنون کی آیت نمبر 20 میں طور سیناء کہا گیا ہے اور آج کل بھی سیناء کا نام سیناء ہی ہے ، صحرائے سینا اور کوہ طور یہ دونوں مصر کے ایشیائی حصے میں ہیں، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ، آپ اگر زمین کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو لال سمندر (بحیرۂ احمر) غلیل کی وی(V) کی طرح دو حصوں میں بہتا نظر آئے گا، غلیل کی یہ وی درمیان میں مثلث بناتی ہے اور یہ مثلث سینا کہلاتا ہے، مثلث کی نوک پر مصر کا سیاحتی شہر "شرم الشیخ" آباد ہے؛ جب کہ اوپری حصہ چار ملکوں اور بحیرہ روم سے جا ٹکراتا ہے، وہ چار ملک سعودی عرب ، اردن ، فلسطین،اسرائیل اور مصر ہیں ، حضرت موسیٰ علیہ السلام دومرتبہ اس مثلث یعنی جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے ، آپ پہلی بار اس وقت سینا میں آئے جب آپ فرعون کے لے پالک صاحبزادے تھے آپ کی پرورش محل میں ہوئی تھی، آپ فرعون کے وارث بن رہے تھے؛ لیکن پھر ان سے نادانستہ طور پر ایک قبطی قتل ہو گیا اور آپ سزا اور فرعون کے ظلم سے بچنے کے لیے سینا میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ، سینا اس وقت فرعون کی سلطنت میں شامل نہیں تھا، حضرت موسیٰؑ صحرا میں چلتے چلتے مدائن پہنچ گئے، دوسری بار جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے بنو اسرائیل کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات عطا کی۔(از : خالد حسین نیموی)

پہلا مرحلہ: ابھی یہ وادی سینا میں ہی تھے جبکہ وہاں فلسطین پر ایک جنگجو قوم عمالقہ قابض ہوچکی تھی ، اس بھاری بھرکم مضبوط تناور قوم سے مقابلہ آسان نہ تھا ، لیکن خدا جب کسی چیز کا امر کرے تو امر کے حمل کی صلاحیت خود ہی پیدا فرما دیتے ہیں ، یہ واقعہ بھی قرآن کریم کے چھٹے پارے میں جزوی طور پر موجود ہے ، چنانچہ بنی اسرائیل پر عمالقہ سے جہاد فرض کردیا گیا تھا لیکن انہوں نے انکار کیا بلکہ روکھے تیکھے جوابات وقت کے پیغمبر کو دیے ، ذلت و مسکنت کے

لیے یہی کیا کم تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ ارض مقدسہ چالیس سال تک کے لیے حرام کردی گئی ۔

سوال : یہودیوں کا فلسطین پر اقتدار اور قبضہ کے دعوی کا استحقاق کس بنیاد پر ہے؟ تاریخی بنیاد پر یا مذہبی بنیاد پر ؟ اگر تاریخی بنیاد پر ہے تو یہ درست نہیں ہے، تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس شہر کو کنعانیوں اور یبوسیوں نے آباد کیا تھا، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کے رکن عبد اللہ بن صالح بن العبید لکھتے ہیں :

اس زمانے میں یہودیوں کا دعوی ہے کہ القدس ایک عبرانی شہر ہے، یہ دعوی ان تاریخی دستاویزات کو نظر انداز کرنے پر مبنی ہے جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ القدس شہر کے طور پر برونزی عہد کی ابتدا میں آباد ہونا شروع ہوا تھا اور اس کی تعمیر کنعانیوں نے کی تھی ، آثار قدیمہ کے انکشافات اور تاریخی ماخذ کے مطابق فلسطین میں عربوں کی تاریخ ۶ ہزار سال پرانی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فلسطین میں عربوں کا وجود اسرائیلی حملے سے ۲۶۰۰ سال مقدم ہے ، اس سے یہودیوں کی القدس پر ملکیت کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں ، حالانکہ قدیم تاریخ کے مطابق یہودیوں کی القدس پر حکومت مسلسل ۷۰ سال سے زیادہ نہیں رہی۔ (ہفت روز و العالم الاسلامی، خلاصہ ص: ۱۵ تا ۲۱ ، ۱۹۹۹)

(۱) سوال : اگر قبضے کے دعوے کا استحقاق مذہبی بنیاد پر ہے تو یہ بھی درست نہیں استشراقی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے عموماً قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۛ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ، ترجمہ : اللہ تعالی نے کہا اچھا! تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے ، یہ (اس دوران) زمین میں بھٹکے پھریں گے ، تو (اے موسیٰ!) اب تم بھی ان نافرمان لوگوں پر ترس مت کھانا " (المائدہ : ۲۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین چالیس سال تک کے لیے حرام کردی گئی تھی ، جب یہ زمین چالیس سال تک کے لیے حرام کردی گئی تھی تو چالیس سال پورے ہوگئے تو پھر اس زمین کے مالک یہودی ہونے چاہیے ؟

جواب : اس زمین کی ملکیت کے لیے محض چالیس کا گزرنا ہی کافی نہیں تھا ، بلکہ چند شرائط بھی تھیں اگر یہ شرائط پوری کردی جاتی تو اس زمین کے مالک وہی ہوتے لیکن انہوں نے اس کے خلاف ورزی کی ، قرآن کریم ان شرائط کو سورۃ المائدۃ میں بیان کرتا ہے : وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ

مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۔ ترجمہ : اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگراں مقرر کئے تھے اور اللہ نے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوۃ ادا کی ، میرے پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا ، تو یقین جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دوں گا، اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ، پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو درحقیقت وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا .(المائدۃ : ۱۲)

سوال : قرآن کریم یہ آیت ، وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ، ترجمہ : اور جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ہم نے اُنہیں اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس پر ہم نے برکتیں نازل کی تھیں ، (الاعراف : ۱۳۷) میں لفظ اَورثنا کا استعمال ہوا ہے ، اور وراثت میں بندہ مالک بنتا ہے ، لہذا اس زمین کے مالک یہودی ہونے چاہیے ؟

جواب : یہ اصطلاح قرآن کی اس آیت میں بطور انعام کوئی چیز نوازنے کے لیے استعمال ہوئی ہے ، اگر اس سے دائمی ملکیت ثابت ہورہی ہوتی تو پھر یہ آیت : قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ، إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ، ترجمہ : موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: "اللہ سے مدد مانگو، اور صبر سے کام لو ، یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے ، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اُس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے ۔ جس میں فرعون کو وارث بنانے کا ذکر ہے ، اگر وراثت سے دائمی ملکیت مراد ہوتی تو فرعون کو سرزمینِ مصر سے بے دخل کرنے کا کیا مطلب ؟. دوسری بات یہ کہ اگر ارض مقدسہ پر یہود کا حق تسلیم کرلیا جائے تو یہ ایمان اور نیک اعمال کے ساتھ مشروط تھا ، چنانچہ قرآن کریم میں ہے ، وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ، ترجمہ : اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک

بندے ہوں گے ، (الحج (۱۰۵: یہود کی کارستانیاں اظہر من الشمس ہیں ، کس قدر بے ایمانی سے کام لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ٹھہرے ، آپ کو قتل کرنا چاہا ، کیا ان خباثتوں کے ہوتے ہوئے یہود ارض مقدسہ کے مستحق ہوسکتے ہیں ؟ ۔

سوال : قرآن مجید کی آیت : يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ، ترجمہ : اے میری قوم! اُس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے، اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد جاؤ گے ،(المائدۃ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ کو یہود کے لیے مقدر فرما دیا ہے ، لہذا اب یہ اس کے مالک ہیں ، ان کو سرزمین فلسطین سے بے دخل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ؟

جواب : اگر آیت کریمہ کا یہی مطلب ہوتا تو آقا علیہ السلام انہیں ان کی سر زمین یاد دلاتے ، حضرت عمر فتح فلسطین کے بعد اگر واقعی یہود اس کے حقیقی وارث ہوتے تو انہیں ان کی سر زمین سپرد کر دیتے ، دوسری بات یہ کہ لفظ "کتب " کے بہت سے معانی ہیں ، ایک بھی معنی دائمی ملکیت کے معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے ، رہی یہ بات کہ یہود سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس کی تکمیل کیوں کر ہوگی ؟ مفسرین کی وضاحت کے مطابق جوابا عرض ہے کہ جب ایک مرتبہ یہود ارض مقدسہ میں داخل ہوچکے ہیں تو یہ وعدہ بھی پورا ہوچکا ہے ۔

الغرض موسی علیہ السلام کی حیات میں فلسطین آزاد نہ ہوسکا ، آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت یوشع بن نون بنے ، جن کی قیادت میں بنی اسرائیل نے عمالقہ سے جہاد کیا اور پھر اللہ نے انہیں فتح عطا فرمائی ، قوم عمالقہ کے ہزیمت خوردہ افراد افریقہ چلے گئے اور بربر کہلائے ، فلسطین کی آزادی کا پہلا مرحلہ تمام ہوا ۔

دوسرا مرحلہ : اس کے بعد بنی اسرائیل میں غفلت و سستی در آئی ، فلسطین کی بت پرست قوم نے رفتہ رفتہ فلسطین پر اپنے پنجے گاڑے ، اور ظلم کی چکی نے گردش شروع کردی ، جالوت ظلم و تعدی کی آندھی بن کر مسلط ہوا ، اور تابوت سکینہ اٹھا کر لے گیا ، فلسطین کو آزاد کرانا ضروری تھا ، چنانچہ قوم کی درخواست پر وقت کے نبی حضرت شموئیل نے ایک طالوت نامی بادشاہ کی سرکردگی میں جہاد کا حکم دیا ، اولا قوم نے بادشاہ کے خوشحال نہ ہونے کے سبب پس و پیش سے

کام لیا ، جبکہ بادشاہت کے لیے علم سیاست اور قدرتِ جسمانی ہونا کافی ہے ، علم تو وہ تدبر و انتظام کے لیے اور جسامت تو رعب و وقار کے لیے ، بالآخر قوم نے ہامی بھرلی ، کچھ لوگ نہر پر آزمائے گئے ، کھوٹے سکوں نے لاطاقۃ لینا کہہ کر بزدلی کا ثبوت دیا ، بالآخر تین سو تیرہ مجاہدین نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمراہ جہاد کرکے فلسطین کو آزاد کرا لیا ، حضرت داؤد نے جالوت کا کام تمام کیا تھا، اس خوشی میں طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤد سے کردیا ، اور یوں بادشاہت آپ کے خاندان میں منتقل ہوگئی ، اس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں موجود ہے ، آپ نے چالیس سال حکومت کی اور اپنا جانشین اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بنایا ، فلسطین کی آزادی کا دوسرا مرحلہ تمام ہوا۔

تیسرا مرحلہ : اس کے بعد یہودیوں میں عقائد میں اختلاف کے ساتھ ساتھ حکومتیں بھی تقسیم ہوگئی ، ایک نے یہودا کے نام سے اور دوسرے نے اسرائیل کے نام سے الگ الگ حکومت بنالی ، اسے عہد انقسام کہا جاتا ہے ، چنانچہ انتشار و خلفشار کے سبب اجتماعی قوت ختم ہوگئی ، اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بخت نصر نے بیت المقدس پر دھاوا بول دیا ، جس کے سبب یہود سے اپنے ملک کی آزادی کھوگئی ، یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے نو سو ننانوے سال بعد پیش آیا ، بخت نصر شہر بابل کا ایک معروف بادشاہ تھا ، اور بابل قدیم میسوپوٹامیا کا ایک مشہور شہر تھا، جو آج موجودہ دور کے عراق میں واقع ہے ، یہ شہر دریائے فرات کے قریب بسا ہوا تھا اور اس کی بنیاد تقریباً 2300 قبل مسیح کے آس پاس رکھی گئی تھی ، بابل بغداد سے تقریباً 55 میل (85کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے ، بابل نے کئی ادوار میں طاقتور بادشاہت کی حیثیت سے خدمات انجام دیں ،لیکن اب سوائے کھنڈرات کے کچھ نہیں بچا ، بخت نصر بابل کے نیو بابلین سلطنت کا عظیم بادشاہ تھا ، اس کی حکمرانی کا دور تقریباً 605 قبل مسیح سے 562 قبل مسیح تک جاری رہا ، الغرض بخت نصر نے یروشلم پر 586 قبل مسیح میں بخت نصر نے حملہ کیا ، اور یروشلم کی دیواریں توڑ دیں ، شہر میں لوٹ مار کی اور شہریوں کو قتل کیا ، یہ واقعہ شہر کی مکمل تباہی کا باعث بنا ، بخت نصر نے یروشلم کے مرکزی مذہبی مقام ، ہیکل سلیمانی، کو بھی تباہ کر دیا، جو یہودی قوم کی روحانی اور ثقافتی زندگی کا مرکز تھا ، اس حملے کے نتیجے میں تقریباً ستر ہزار یہودیوں کو بابل جلا وطن کیا گیا، اس جلاوطنی کو BabylonianExile کہا جاتا ہے ، قرآن کریم کی آیت : أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ، ترجمہ : یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے

واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر ایسے وقت گذرہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی ۔ اس آیت میں اسی یروشلم کی بستی کی طرف بدرجۂ احتمال غیر، اشارہ ہے ۔

فائدہ: یہ صاحب کون تھے؟ اور یہ بستی کونسی تھی؟ یہ بات قرآنِ کریم نے نہیں بتائی، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا جاسکے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بستی بیت المقدس تھی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بخت نصر نے اس پر حملہ کرکے اسے تباہ کرڈالا تھا، اور یہ صاحب حضرت عزیر یا حضرت ارمیا علیہاالسلام تھے، لیکن نہ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے، نہ اس کھوج میں پڑنے کی ضرورت ہے ۔(آسان ترجمۂ قرآن، سورۃ البقرۃ)

اس دوران بیت المقدس ستر سال تک ویران رہا، پھر سائرس اعظم Great the Cyrus جو کہ قدیم فارس (ایران) کا بادشاہ تھا، اس نے یہود کو بابل کی قید سے آزاد کرایا، یہ واقعہ تقریباً 539 قبل مسیح کا ہے جب سائرس نے بابل کو فتح کیا، اس وقت یہودی بابل میں اسیر تھے، یہ قید تقریباً 70 سال تک جاری رہی، جو 586 قبل مسیح سے شروع ہوئی اور 538 قبل مسیح میں سائرس کے ذریعہ بابل کی فتح کے بعد یہودیوں کی واپسی کے ساتھ ختم ہوئی، بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یہودیہ کو تباہ کر کے یہودیوں کو قیدی بنا لیا تھا، جب انہوں نے بابل کو فتح کیا تو یہودیوں کو واپس یروشلم جانے کی اجازت دی اور انہیں ان کے معبد ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کے لیے مدد فراہم کی، فلسطین کی آزادی کا یہ تیسرا مرحلہ تمام ہوا۔

انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے اور خدا کا پیغام پہنچاتے رہے، حضرت یحیٰؑ کی پیدائش کے چھ ماہ بعد حضرت عیسی تشریف لائے، آپ کو تیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز کیا گیا، یہود نے بنی اسرائیل کے آخری نبی کی بات نہ مانی، مزید قتل کی سازش ہوئی، چنانچہ اللہ نے علی اختلاف الاقوال 33 سال کی عمر میں آسمان پر اٹھالیا، اب تک یہود کا شمار اہل حق کے پلڑے میں ہوتا تھا لیکن وقت کے نبی کو جھٹلا کر مردود، ضال و مضل ٹھہرے، ان کی سرکشی و طغیانی مزید بڑھتی گئی، چنانچہ اللہ نے70 عیسوی میں طیطوس کو مسلط کیا، طیطوس رومی ایک معروف رومی بادشاہ تھا جس نے پہلی صدی عیسوی میں بہت اہم عسکری مہمات سر انجام دیں، اس کا فلسطین پر حملہ 70 عیسوی میں ہوا، جو یہودیوں کی پہلی جنگ کا ایک اہم واقعہ تھا، جنگ رومی سلطنت اور یہودیوں کے درمیان تھی، جو تقریباً 66 سے 73 عیسوی تک جاری رہی، 70 عیسوی

میں طیطوس نے یروشلم کا محاصرہ کیا، اور بعد ازاں شہر کو فتح کیا ، اس محاصرے کے دوران، رومی فوجوں نے یروشلم کی دیواریں توڑ دیں اور شہر میں داخل ہو گئے، جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر قتل عام اور تباہی ہوئی ، روشلم کی فتح کے بعد، رومیوں نے ہیکل سلیمانی کو بھی تباہ کر دیا، جو یہودیوں کے لیے ایک انتہائی مقدس مقام تھا ، اس کے بعد یہودیوں کو اپنی سر زمین سے بڑی تعداد میں نکال کر در بدر کردیا گیا ، بحوالہ تاریخ امت مسلمہ ۱۳ ۵ عیسوی میں ایک اور حکمران اڈریان نے مزید ستم ڈھائے اور انہیں بیت المقدس سے نکال دیا ، یہود منتشر ہو کر مختلف محلوں میں جا بسے ، ان میں سے کچھ جزیرۃ العرب آکر حجاز کے شہر یثرب میں آباد ہو گئے، اس کے بعد انہیں کہیں جائے پناہ نہ ملی یوں ہی بکھرے بکھرے مارے مارے پھرتے رہے ، قرآن کریم کی سورۃ الاسراء میں اس بابت اشارات موجود ہیں ،

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ، فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ، ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ،إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا .

ترجمہ : اور ہم نے کتاب میں فیصلہ کرکے بنو اِسرائیل کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کروگے ، چنانچہ جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمہارے سروں پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے،اور وہ تمہارے شہروں میں گھس کر پھیل گئے اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہو کر رہنا ہی تھا ، پھر ہم نے تمھیں یہ موقع دیا کی تم پلٹ کر اُن پر غالب آؤ تمہارے مال ودولت اور اولاد میں اضافہ کیا، اور تمہاری نفری پہلے سے زیادہ بڑھادی ، اگر تم اچھے کام کروگے تو اپنے ہی فائدے کے لئے کروگے اور بُرے کام کروگے تو بھی وہ تمہارے لئے ہی بُرا ہوگا ، چنانچہ جب دوسرے واقعے کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دُشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دالیں ،اور تاکہ وہ مسجد میں اسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے، اور جس جس چیز پر اُن کا زور چلے،اُس کو تہس نہس کرکے رکھ دیں ۔(آسان ترجمہٴ

قرآن)

اسی طرح حدیث پاک سے بھی ان واقعات کی طرف اشارہ ملتا ہے ، " حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالی کے نزدیک معظم و محترم ، بلند مرتبہ اور عظیم القدر مسجد ہے ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا : جی ہاں! دنیا کے سب گھروں میں وہ ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے سونے چاندی، جواہرات و یاقوت اور زمرد سے بنایا تھا اور اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے جنات کو آپ کے تابع کر دیا ، جنات کھانوں سے سونا چاندی لائے اور وہ جواہرات ، یاقوت اور زمرد بھی لائے، اللہ تعالی نے سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات کو مسخر کر دیا تھا ، چنانچہ انھوں نے اس جمع کئے ہوئے مواد سے مسجد بنائی ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ! پھر بیت المقدس سے یہ چیزیں کیسے چھین لی گئیں؟ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا کہ: " جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالی کی نافرمانی شروع کی اور انبیاء کو قتل کیا تواللہ تعالی نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا ، جو مجوسی تھا اس کے خاندان نے سات سو سال تک حکومت کی تھی ، ارشاد باری ہے : پھر جب ان دو میں سے پہلا موقعہ آئے گا تو ہم اپنے سخت جنگجو بندے بھیجیں گے جو گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ پہلا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے ، چنانچہ اس نے حملہ کیا اور اس کا لشکر بیت المقدس میں گھس گیا اور مردوں کو تہ تیغ کیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور بیت المقدس کے تمام اموال اور سونے چاندی اور جواہرات کو لوٹ کر لے گیا اور سو سال تک بنی اسرائیل سے بیگار لیتا رہا ان کو اپنا غلام بنا کر طرح طرح سے رسوا کرتا رہا اور سزا دیتا رہا ، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھایا اور فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اشارہ کیا کہ مجوسیوں کے دارالسلطنت بابل پر حملہ کرے اور جو بنی اسرائیل مجوسیوں کے ہاتھ میں قید ہیں ان کو چھڑائے، چنانچہ اس بادشاہ نے حملہ کر کے بابل کو فتح کر لیا اور باقی ماندہ بنی اسرائیل کو مجوسیوں کی قید سے آزاد کیا اور جو زیورات وہ بیت المقدس سے لائے تھے ان کو بھی چھڑا یا ، یوں اللہ تعالیٰ نے سب سامان حسب سابق بیت المقدس کو پھیر دی اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اگر تم نافرمانی اور گناہ کرو گے تو ہم پھر تم کو قتل و قید کی سزا دیں گے۔

پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس لوٹ آئے تو پھر معاصی اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہو گئے ، اس بار اللہ تعالیٰ نے ان پر روم کے بادشاہ قیصر کو مسلط کیا اس نے بنی اسرائیل پر بری اور بحری دونوں راستوں سے حملہ کیا اور ان کو قید کیا قتل کیا اور اموال اور عورتوں کو لوٹا اور بیت المقدس کے تمام ساز و سامان کو لے گیا۔ (ہدایت القرآن ، سورۃ الاسراء)

چوتھا مرحلہ: یہود اس کے بعد سے 1945 تک سر گشتہ و درماندہ رہے ، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران بیت المقدس پر کس کا قبضہ رہا ؟

جواب : اس دوران عیسائیوں کا تسلط رہا ، پھر یہ تسلط 635 عیسوی میں عہد فاروقی میں جاکر ٹوٹا ، حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں شام میں حمص ، دمشق ، وغیرہ فتح ہوچکے تھے لیکن بیت المقدس کے تقدس کے سبب بغیر خوں خرابے کے قبضے کا سوچا ، سن ١٦ھ میں اس مقدس شہر کا گھیراؤ کیا گیا ، مقامی عیسائیوں نے مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور صلح کی شرائط پیش کر دیں ، یہ مقام عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں تینوں کے لیے انتہائی مقدس مقام کی حیثیت رکھتا تھا ، اس لیے عیسائیوں کی خواہش تھی کہ امیر المؤمنین خود ہی آئیں ، مشورے کے بعد حضرت عمر بالآخر رجب سنہ ١٢ ہجری میں حضرت عمر نے حضرت علی کو اپنا نائب بنا کر مدینہ طیبہ سے تنہا ایک اونٹ پر سوار ہوکر بیت المقدس روانہ ہوئے ، شام کی سرحدوں میں داخل ہونے تک آپ کی قمیص میلی ہو چکی تھی ، مقام جابیہ محل ملاقات و گفتگو طے ہوا تھا ، وہاں پہنچ کر صلح کے امور طے پاگئے اور درج ذیل معاہدے پر دستخط کیے گئے:

اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے ایلیاء (بیت المقدس) والوں کے لیے جان و مال کی امان ہے ، ان کے گرجے صلیبیں اور پوری قوم سب مامون ہیں، ان کی عبادت گاہوں کو کوئی رہائش گاہ بنائے گا نہ ان کو منہدم کیا جائے گا، نہ ان کی تعمیرات اور احاطے میں کمی کی جائے گی، نہ ان کی صلیبیں اور اموال چھینے جائیں گے، دین بدلنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا جائے گا ، بیت المقدس کے باشندوں پر لازم ہوگا کہ وہ دوسرے شہر والوں کی طرح جزیہ ادا کریں، ان پر یہ بھی لازم ہے کہ رومی (سپاہیوں اور عملے) کو شہر سے نکال دیں ۔

معاہدے کے مطابق مقامی باشندوں نے تین دن کے اندر رومی سپاہیوں کو شہر سے نکال دیا اور حضرت عمر رضی اللہ قبلہ اول کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے ،آپ نے وہاں پہنچ محراب

داؤد کے پاس دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی ، رومیوں نے صخرۂ مقدسہ کو جو یہودیوں کا قبلہ تھا ، یہودیوں کو طیش دلانے کے لیے نجاست کا ڈھیر بنا رکھا تھا، حضرت عمر فاروق مقدس چٹان کو کھوجنے لگے تو حضرت کعب اخبار نے آپ کو اشارے سے بتایا کہ صخرۂ مقدسہ یہاں ہے ، آپ نے مقدس چٹان کے آگے اس طرح مسجد بنانے کا حکم دیا کہ نمازیوں کا رُخ کعبہ کی طرف اور پشت صخرۂ مقدسہ کی طرف رہے تا کہ یہودیوں سے مشابہت کا کوئی ذرا سا بھی امکان نہ رہے ، چنانچہ آپ کے حکم سے صخرۂ مقدسہ سے کوڑا کرکٹ ہٹایا جانے لگا ، اور اس جگہ کو پاک صاف کیا گیا اور سامنے مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک مسجد عمر کے نام سے مشہور ہے ،حضرت عمر کچھ دن شام میں ٹھہرے اور پھر سنہ ۱۷ ہجری کے آغاز میں واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے ، اور یوں بغیر خانہ جنگی اور کشت و خون کے فلسطین فتح ہوگیا ، فلسطین کی آزادی کا چوتھا مرحلہ تمام ہوا۔

پانچواں مرحلہ : ہماری تاریخ رہ چکی ہے، دنیا نے وہ دور بھی دیکھا ہے ،جب مکہ کی پتھریلی سر زمیں سے ایک در یتیم اٹھا ،اور دیکھتے ہی دیکھتے چڑھتے سورج کی طرح افق جہاں پر اپنی ضیاء پاش کرنوں سے ہر ایک کو ضیا، اور روشنی بخشتا گیا، اور اپنے نور سے ذرے کو تاباں کردیا، کفر کی ضلالت موجزن تھی ،سیاہ تاریک اندھیرے روز بروز چھائے جارہے تھے ،پھر وہ انقلاب آیا کہ مصر و روما اور شام قدموں میں آپڑے، سپر پاور طاقتوں کے غرور اور تکبر کے ناپائیدار محل زمیں بوس ہوگئے ،معزز و محترم سمجھے جانے والے، خاک و خوں میں تڑپنے لگے ، تیس پینتیس سال کے عرصے میں نا قابلِ فراموش جد و جہد ،قابلِ فخر و شکر خدمات سے اسلام کی عزت و حرمت اس کی سربلندی کے علم نصب کردیے، سرزمین حجاز سے اٹھنے والے امام المجاھدین صلی اللہ علیہ و سلم اور ان کے اصحاب کے ہمراہ چراغِ زندگی فروزاں کرکے آئندہ نسل کے واسطے مشعلِ راہ بن کر اور اسرار زندگی سے واقف کروا کر اپنی یادیں چھوڑ گئے، اے میری قوم کے جیالو یاد کرو اپنی عظمت رفتہ کو، کیوں ہم نے اپنے اسلاف کو اپنی تاریخ کو بھلادیا ؟یاد کیجئے تاریخ اندلس کو ؟یاد کیجئے ہندوستان کے سات سو سالہ حکومت کو؟ وہ ماضی کے تابندہ روشن ستارے، امت مسلمہ کے قابل فخر ستارے، دین اسلام کے متوالے ،وہ ایک ہاتھ میں تلوار لیے، دوسرے ہاتھ میں قرآن لیے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، اعلاء کلمۃ اللہ کے علم گاڑتے گئے، بالآخر جہاد کی برکات نے کفر و شرک کو سرنگوں ہونے پر مجبور کردیا ،جایئے تاریخ کے اوراق الٹیے، اہل اسلام

کے غلبے اور فتوحات اسلام کا ایک سنہرا باب اور ایک خوشگوار پر امن دور نظر آئے گا ،جسے سن اور پڑھ کر سر فخر سے بلند ہوجاتے ہیں، آؤ ہم اپنی عظمت رفتہ یاد کریں، ان جانبازوں کا ذکر خیر کریں، جنھوں نے دین اسلام کی سر بلندی کے لئے اپنا تن من دھن لٹا دیا ،جنھوں نے اپنے صبر و استقامت شوقِ شہادت جزبہ و حرارت سے اس فصل کو خون جگر سے سینچ کر سر سبزی و شادابی بخشی ،گلشن و گلزار کی یہ باغ و بہار انہی خدا مستوں کی خوش کن نتیجہ خیز حسن کار کردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے، یہود و نصاریٰ کے حوصلے انہی کے رعب و دبدبے سے شکست خوردہ ہیں، رہتی دنیا تک ان غازیان صف شکن کے کارنامے یاد رہیں گے ، مردہ قلوب کو زرخیزی ،ناامیدی کے جزیروں میں بھٹکتوں کو ساحل کا پتہ دیتے رہیں گے ،اخلاف ان اسلاف سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے، ان تابندہ ستاروں میں، عظمت کے میناروں میں، یہودیت و نصرانیت کے لیے ایک شمشیر آہنی وہ ایک صلاح الدین ایوبی بھی ہے، جس کا انتظار آج بھی فلسطین کررہاہے ،بابری مسجدَ مسجد اقصی اسی شہباز کی راہ تکتے ہیں، ابھی وہ وقت تھا ،جب یہود و نصاری کے سایے بیت المقدس کو اپنی چنگل میں لیے ہوئے تھے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب ؓ نے اسے آزاد کروایا تھا ،جس سے کفر کے نجس سایے یکایک چھٹ گئے، اسلام کی فصل گلستاں میں بہار و پھوار آگئی ،بے سہاروں کو سہارا مل گیا ،لیکن وقت گزرنے کے ہمراہ اسلامی حکمرانوں کی بے غیرتی، ایمانی غیرت و حمیت ، اور جزبہ جہاد سرد پڑ گیا ،تو قبلہ اول پر سن1099 ء ، 492 ھ میں کفار و مشرکین کے نجس پنجے پھر بیت المقدس کی طرف بڑھے، یوں بیت المقدس اپنی آزادی کھوگیا، قبلہ اول کا چھن جانا عالم اسلام کی نا امیدی کو بڑھاتا گیا ،روز بہ روز صلیبیت کا سیلاب سیل رواں کی طرح اسلامی ریاستوں کو اپنے پنجۂ استبداد سے ظلمتِ کفر میں داخل کرتا جارہا تھا، مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ کے ارد گرد کے علاقوں پر بھی خطرہ منڈ لارہا تھا ،اب کسی مرد مجاہد کی ضرورت تھی، جس میں خلوص و للّٰہیت ،غیرت و حمیت اور جذبۂ جہاد موجزن ہو ، اللہ نے سلطان عماد الدین زنگی کی صورت میں ایک مرد مومن مرد حق کو بھیجا جس نے بگڑے ہوئے دستور میخانہ کو سنوارنے کی کوشش کی ،صلیبیوں سے جنگ کا آغاز عماد الدین زنگی رحمہ اللہ نے ہی کیا تھا ، پھر کیا تھا فتوحات کا باب کھلا ،اور وہ دور لوٹ آیا ،اب ظلمت کے بادل چھٹتے جارہے تھے، مقبوضات اب رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آرہے تھے، اہل اسلام کی امیدیں بندھ رہی تھیں ، لیکن زندگی نے وفا نہ کی ، بالآخر وقت موعود آپہنچا، اور سن 541 ھ میں وہ جان جان آفریں کے سپرد کرکے مقام شہادت پر فائز ہوگئے، ان کے بعد یہ سعادت آپ کے فرزند

سعادت مند کے ہاتھوں آئی ، آپ نے بڑی جانفشانی سے علماء فقہاء تک حالات پہنچائے علماء نے اپنی تقریروں سے لوگوں کے تن و من میں روحِ جہاد پھونک دی ، سن 558 ھ میں بقیعہ کے معرکے میں شکست ہوئی جس نے مزید شیر کو غضباک بنا دیا ، قسم کھالی کہ جب تک صلیبیوں کو شکست نہ دوں گا تب تک چھت تلے نہ آؤں گا، چنانچہ اللہ نے آپ کو بڑی بڑی فتوحات سے نوازا ، فلسطین کے بیشتر علاقے چھڑائے ، لیکن بیت المقدس فتح نہ ہوسکا ، آپ یہی تمنا لیے سن 569 ھ میں سوئے دار القرار چل دیے ، اب ساری ذمداری اس ہستی کے سر آپڑی تھی، جسے دنیا آج صلاح الدین ایوبی کے نام سے جانتی ہے، رب العالمین نے آپ کو ایک فطری ذوق بخشا تھا، جہاد سے آپ کو بے پناہ محبت تھی ،کفر و شرک کی نفرت رگ و پے میں پیوست تھی، آپ کو دیکھ کر لوگ کہا کرتے تھے، کہ اللہ تعالی نے آپ کو پیدا ہی جہاد اور فتح بیت المقدس کے لئے کیا ہے، شب و روز بس جہاد کی دھن ہی سوار تھی ،چونکہ نورالدین زنگی کے باقی ماندہ کام کو آگے بڑھانا تھا ،اس لیے مختلف منصوبہ بندیاں حملوں کی تیاریاں بڑے زور و شور سے جاری تھی، اور یہ تو ہونا تھا ،کیونکہ خزاں کے بعد بہاروں کا سماں ہوتا ہے، شبِ ظلمت کے بعد صبح فروزاں طلوع ہوتی ہے، دانہ خاک مل کر گل و گلزار بنتا ہے، اہل فلسطین بڑے صبر آزما دور سے گزرے تھے، کل کو فتح و کامرانی کی بہاریں دیکھنی باقی تھی، وہ وقت مسرت آپہنچا ، جس کا انتظار تھا ، سلطان نے صلیبیوں کے خلاف محاذ آرائی کی، اب وقت یاوری کررہا تھا ،مسلمانوں کی کھوپڑیوں سے ستون تعمیر کرنے والے خاک و خوں میں تڑپ رہے تھے، اجسام خوں میں لتھڑے پڑے تھے، اہل کفر پر مایوسی چھائی جارہی تھی ،دنیا بھر کے کفار اپنی پسپائی پر نالاں ہوئے جارہے تھے، بیت المقدس کی فتح اہل کفر کے لئے ذلت کا تمغہ تھی، جبکہ اہل ایمان کے قلوب فرحت و مسرت سے لبریز ہوئے جارہے تھے، چہروں پہ شادمانی رقصاں تھی ،سن 583 ھ میں سلطان نے بیت المقدس کو ظالموں سے چھڑالیا، اب دوبارہ اسلام کی عظمت و رفعت کا علم لہرانے لگا 27، رجب سن 583ھ میں بیت المقدس میں داخل ہوئے ، نوے سال کے بعد مسجد اقصی میں جمعہ ہوتا دیکھ کر مسلمانوں کے قلوب سرشار تھے، علماء فقہاء عوام و خواص نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے اقصی کی جانب بڑھ رہے تھے، ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں، رونقیں ہی رونقیں دکھائی دے رہی تھی، سلطان خدا کے فضل سے اپنا ہدف پاچکے تھے، اس آزادی کی خوشی سلطان کو سارے غم بھلانے پر مجبور کررہی تھی ،لیکن خوشی بھی اسی کو ہوتی ہے، جسے کفر سے گھٹن ہوتی ہو ، اسلام کی سربلندی جس میں انگڑائیاں لیتی ہو ،جذبۂ جہاد موجزن ہو، غلبۂ اسلام کے لیے آنکھیں ترس

رہی ہو ،دل تخت پر خلافت کے لیے بیتاب ہو ،اور اگر ہم جیسے ہو ،جنہیں حاکمیت و محکومیت کا پتہ ہی نہ ہو، جن کے نزدیک کھانا پینا ہی آزادی ہو ،غیروں کی غلامی جن کی طبیعت بن گئی ہو، ان کے لیے خلافت کوئی معنی نہیں رکھتی ، فلسطین کی آزادی کا پانچواں مرحلہ تمام ہوا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں کے فلسطین سے دستبردار ہونے کے بعد ان کا کیا بنا ؟ جواب یہ ہے کہ خیبر کے علاوہ یہودیوں کی جنگ عظیم اول تک بھی بھی مسلمانوں سے کشمکش نہیں ہوئی ، بلکہ اس دوران صلیبی بر سرپیکار رہے ، یہ تقریباً بارہ تیرہ سو سال بنتے ہیں جن میں یہود مسلمانوں کی پناہ میں تھے ، ان کے لیے اندلس کی مسلم حکومت اور خلافتِ عثمانیہ سے بہتر جائے پناہ کہیں نہ ملی ، انہیں اعزاز و اکرام حاصل رہا ، اس دوران یہود اور نصاریٰ کے درمیان کافی تناؤ اور کشیدگی رہی ، یہاں تک کہ عیسائیوں نے یہودیوں کی خوب پٹائی کی ، جلانا قتل کرنا وغیرہ ایک عام سی بات تھی ، ان کا آخری راؤنڈ ہٹلر والا ہے جسے ہولوکاسٹ کہا جاتا ہے ، ہولوکاسٹ دوسری عالمی جنگ کے دوران نازی جرمنی کی طرف سے یہودیوں اور دیگر اقلیتی گروہوں کے خلاف کی گئی منظم نسل کشی کا واقعہ ہے ، جس میں تقریباً چھ ملین یہودیوں کو قتل کیا گیا ، اس کے علاوہ روما (خانہ بدوش) پولینڈ کے باشندے، سوویت جنگی قیدی، معذور افراد، ہم جنس پرست، اور دیگر کئی اقلیتی گروہ بھی نازیوں کی نسل پرستی کا نشانہ بنے ، نازی پارٹی کا دور 1933 سے 1945 تک جاری رہا ، نازی پارٹی جسے نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی بھی کہا جاتا ہے اس کے اقتدار میں آنے کے بعد ہولوکاسٹ ہوا ، جس کا عرصہ 1941 سے 1945 تک ہے ،جب ایڈولف ہٹلر نے جرمنی میں یہودیوں کے خلاف قوانین بنائے اور انہیں سماجی، سیاسی اور اقتصادی زندگی سے الگ تھلگ کرنا شروع کیا تو ان قوانین کے تحت یہودیوں کے حقوق ختم کر دیے گئے، ان کی جائیداد ضبط کی گئی، اور انہیں مخصوص علاقوں میں رہنے پر مجبور کیا گیا ، یہودیوں کو منظم طریقے سے قتل کیا گیا ، اس مقصد کے لیے یورپ بھر میں حراستی اور موت کے کیمپ قائم کیے گئے، جیسے آشوٹز، تربلنکا، اور سوبی بور، جہاں لاکھوں افراد کو گیس چیمبرز میں ہلاک کیا گیا یا بھوک ، بیماری کے باعث جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

یہودیوں کو فلسطین کا خیال ستائے جارہا تھا اور وہ ہر آنے والی نسل کے ذہن و خیال میں یہ بات چسپاں کرتے آرہے تھے کہ یہ ہماری زمین ہے ہمیں اسے حاصل کرنا ہے ، اس خیال کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیے خفیہ طور پر یہودیوں کے سربرآوردہ شخصیات نے منصوبوں کے تانے

بانے بننے شروع کردیے ، بالآخر خفیہ دستاویزات تیار کرلی گئی ، جس میں تسخیر کائنات کے منصوبے درج تھے ، جنھیں بعد میں یہودی پروٹوکولز کا نام دیا گیا ، یہ صرف کسی ایک شخص کے تخیلات کا مجموعہ نہ تھا بلکہ یہ اجتاعی ، غیر جذباتی ، یہودی ، عظیم بین الاقوامی شخصیات کی عظیم شیطانی اذہان کی عرق ریزیوں کا کمال تھا ، چنانچہ ان منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے 1897 میں سویزرلینڈ کے شہر باسل میں تھیوڈرہرزل کے زیر قیادت صہیونی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ان دستاویزات کو زیر بحث لایا گیا ، اس کانفرنس میں دور دراز سے یہودی پراسرار شخصیات نے شرکت کی ، تخریب کاری ، دولت کا ارتکاز ، صہیونی ریاست کا قیام ، جیسے اہم منصوبوں کو ترتیب دیا گیا ، ان دستاویزات کی نقل صرف سربرآوردہ شخصیات ہی کو دی گئی ، لیکن ایک نقل یہودی تنظیم کی رہنما عورت کی گھریلو ملازمہ نے بڑی شاطر دماغی سے چرالی ، اور روسی پادری سرجی نائلس کے حوالے کردی ، پھر اس کا ترجمہ عبرانی زبان سے روسی زبان میں کیا گیا ، جب پادری نے ان دستاویزات میں مرقوم سازشوں کو جانا تو سٹی ہی گل ہوگئی ، انہوں نے اس سازش کا پردہ فاش کرنے کے لیے کتابی شکل دے کر تقسیم کا سوچا ، اس کا دوسرا نسخہ 1905 میں برٹش میوزیم میں پہنچا ، وہاں اس کا انگریزی ترجمہ ہوا ، تعجب کی بات یہ ہے کہ جب بھی یہ کتاب چھپتی ، تو بازار سے غائب کردی جاتی ، دوسری بات تعجب کی یہ ہے کہ بعد میں پیش آنے والے واقعات اسی نہج پر ہوئے ، جنھیں یہودیوں نے قبل از وقت متعین کیا تھا۔

الغرض اسی کانفرنس میں صہیونی تحریک کی بنیاد رکھی گئی ، اس کانفرنس کو منعقد کرنے کا صرف یہی مقصد تھا کہ گریٹر اسرائیل کا خواب پورا ہو اور فلسطین میں ایک آزاد ریاست کو تشکیل دیں ، کیوں کہ ان کے خیال میں دنیا میں حکومت کا حق صرف انہیں ہی ہے ، ہم ہی خدا کے برگزیدہ ہیں ، وغیرہ

تلمود میں ہے : ہر قائم چیز کو گرا دو ، ہر پاک چیز کو ناپاک کرو، ہر سبز چیز کو جلا دو، تاکہ ایک یہودی کو ایک پیسہ فائدہ ہو ، جتنا ہو سکے غیر یہودیوں کو قتل کرو ، یہودیوں کے علاوہ ہر مذہب کے سربراہوں پر دن میں تین بار لعنت بھیجو۔

پروٹوکولز جسے انگریزی میں " The Protocols of the EldersofZion " کہا جاتا ہے ، اس میں ہے : غیر یہودیوں کو اللہ نے اپنے چنے ہوئے لوگوں کے گدھے بنا کر پیدا کیا ہے ، جب بھی ایک گدھا مر جائے، ہم دوسرا گدھا سوار کر لیتے ہیں ، یہودیوں نے پوپ کے تخت کو تباہ کرنے

اور عیسائیت کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی ، پروٹوکولز میں ہے : ہم عیسائیوں کے دلوں سے خدا کا خیال نکال دیں گے ۔

ان کا خیال یہ ہے کہ یہ منصوبہ گریٹر اسرائیل کی صورت میں پورا ہو گا ، بنیادی طور پر ان کے دو مقصد ہیں آزاد صیہونی ریاست کی تشکیل ، اور اس کے بعد گریٹر اسرائیل کا قیام ، حضرت داؤد نے ایک عظیم الشان ریاست قائم کی ؛ جس کا دارالخلافہ شہر یروشلم تھا؛ جسے شہر داؤد بھی کہا جاتا تھا ، اس سلطنت کو سلطنت داؤد (گریٹر اسرائیل) کے نام سے موسوم کیا گیا ، اس میں عراق ، شام ، اردن ، لبنان ، مصر اور سعودی عرب کے بعض علاقے شامل ہیں یہ تمام علاقے دریائے دجلہ اور دریائے نیل کے درمیان میں واقع ہیں ، نیٹ پر موجود نقشے کے مطابق اس منصوبے میں مدینہ منورہ بھی شامل ہے ، یہودیوں کے مطابق یہ علاقہ ان کا موروثی علاقہ ہے ، اس علاقہ پر ان کا حق ہے غیر یہود اقوام سے ان علاقوں کو چھین کر اس پر سلطنت داؤد کی بنیاد رکھی جائے گی ، اب ان مقاصد کو بروئے کار لانے میں اگر کوئی مانع تھا تو خلافت عثمانیہ تھی ، اولیں وہلے میں انہیں اسے راستے سے ہٹانا ضروری تھا ، چنانچہ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ترکی میں اسلام دشمن تنظیم فری میسنری کو متحرک کیا گیا جس نے ترکی فوج میں اپنے اثرات کو پھیلایا ، انتھک محنت کر کے سات سال تک اپنی سازشوں کو اس حد تک پروان چڑھا دیا کہ سلطان عبد الحمید کا تختہ الٹا جا سکے ۔

شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ اپنی کتاب " حماس الجذور التاریخیۃ و المیثاق " میں لکھتے ہیں : یہودیوں کا سلطان عبد الحمید سے رابطہ ۱۸۸۲ میں شروع ہوا، جب "محبان صیہون" نامی تنظیم نے عثمانی قونصل سے درخواست کی کہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے ، سلطان کا جواب تھا : عثمانی حکومت ان تمام یہودیوں کو مطلع کرتی ہے جو ترکی میں ہجرت کے خواہاں ہیں کہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

یہودیوں نے کئی وفود بھیجے، لیکن انہیں ہمیشہ سلطان کی طرف سے انکار ہی ملا ، امریکی سفیر نے مداخلت کی تو سلطان نے کہا : جب تک عثمانی سلطنت قائم ہے، میں یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دوں گا ، ۱۸۹۶ میں جب ہرتزل نے سلطان سے ملاقات کی اور یروشلم میں ایک کالونی کے قیام کی اجازت مانگی تو سلطان نے کہا : عثمانی سلطنت عثمانیوں کی ملکیت ہے، وہ

اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے ، اپنی رقم اپنے جیبوں میں محفوظ رکھیں۔

بال کانفرنس کے بعد صیہونی تحریک میں تیزی آئی، جس کے باعث سلطان نے اپنا مشہور فرمان جاری کیا جو استنبول میں تمام نمائندوں تک پہنچایا گیا ، یہ فرمان ۱۹۰۱ء میں جاری کیا گیا، جس میں یہودی حجاج کو فلسطین میں تین ماہ سے زیادہ قیام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ، ان کے پاسپورٹس فلسطین میں داخل ہوتے وقت ضبط کر لیے جاتے اور ان کی جگہ انہیں عارضی اقامتی پرمٹ جاری کیے جاتے جو شخص مقررہ مدت کے بعد ملک نہیں چھوڑتا اسے زبردستی باہر نکالا جاتا ، سلطان نے یہودیوں کے لیے ایک خاص اقامتی پرمٹ "ریڈ پاسپورٹ" جاری کیا تاکہ انہیں نکالنا آسان ہو ، اسی وجہ سے یہودیوں نے بعد میں بین الاقوامی ہوائی اڈوں پر سفارتی پاسپورٹس کے لیے سرخ رنگ عائد کر دیا جن کی تفتیش نہیں کی جاتی .

۱۹۰۱ء میں سلطان نے ایک اور فرمان جاری کیا جس میں یہودیوں کو فلسطین میں کوئی زمین خریدنے سے منع کیا گیا ، ہرتزل نے ہار نہیں مانی اور ۱۹۰۲ ء میں ڈاکٹر رُوبن (Rubin) قرصو کے ساتھ ایک وفد تشکیل دیا اور سلطان کے پاس پرکشش پیشکشیں لے کر پہنچا، لیکن سلطان نے ملاقات سے انکار کر دیا ، انہوں نے اپنی پیشکشیں وزیر اعظم تحسین پاشا کو پیش کیں۔

سلطان عبد الحمید کو کی جانے والی پرکشش پیشکش

(۱) سلطان کی ذاتی جیب کے لیے ایک سو پچاس لاکھ انگریزی پاؤنڈ۔

(۲) سلطنت عثمانیہ کے تمام قرضے جو ۳۳ ملین انگریزی پاؤنڈ سونے کے تھے، ان کی ادائیگی۔

(۳) سلطنت کی حفاظت کے لیے ایک بحری بیڑا ، جس کی لاگت ۱۲۰ ملین فرانک سونے کی تھی۔

(۴) ریاست کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بغیر سود کے ۳۵ ملین سونے کے پاؤنڈ کا قرضہ ۔

(۵) یروشلم میں ایک عثمانی یونیورسٹی بنانا۔

سلطان عبد الحمید نے ان پیشکشوں کا جواب دیا جیسا کہ ہرتزل کی یادداشتوں میں آیا ہے : ڈاکٹر ہرتزل کو مشورہ دیں کہ وہ اس معاملے میں سنجیدہ اقدامات نہ اٹھائیں ، میں زمین کا ایک انچ بھی

نہیں چھوڑ سکتا، یہ میری ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ میری عوام کی ملکیت ہے ، میری عوام نے اس زمین کے لیے جدوجہد کی ہے اور اسے اپنے خون سے سیراب کیا ہے، یہودی اپنی دولت کو محفوظ رکھیں ، اگر بھی میری سلطنت ٹوٹ گئی تو وہ اس وقت فلسطین کو بغیر قیمت کے لے سکتے ہیں، لیکن جب تک میں زندہ ہوں، میرے جسم پر چھری چلانا اس سے زیادہ آسان ہوگا کہ میں فلسطین کو اپنی سلطنت سے کاٹتا دیکھوں، یہ بھی نہیں ہوگا ، میں اپنے جسم کو زخمی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا جبکہ ہم زندہ ہیں۔

دین، زمین، خون اور عزت کی حفاظت ایک بہت مہنگی اور بھاری قیمت والا معاملہ ہے ، اس کی لالچوں اور دھمکیوں کے سامنے وہی نفوس ثابت قدم رہتے ہیں جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں، اس کی پناہ میں آتے ہیں، اور اپنے ایمان کی بلندی سے دنیا کی دولت اور اس کے عارضی فائدوں پر غالب آتے ہیں، جبر اور طاغوت کے سامنے استقامت دکھاتے ہیں۔

اور انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سلطان عبد الحمید مظلومیت کی حالت میں رخصت ہوگئے، اور مسلمانوں کی زبانیں ان کا گوشت چبانے میں مصروف رہیں ، انہیں آمر ، غرور اور تکبر کے القابات سے نوازا گیا، ان کی حقیقی قدر و منزلت کو پوشیدہ رکھا گیا یہاں تک کہ ہرتزل کی یادداشتیں ۱۹۲۰ کے بعد شائع ہوئیں، تب لوگوں نے ان کے اعلیٰ مقام کو پہچانا اور پچھتائے، لیکن اس وقت پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا ، لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ان کا حق نہیں پہچانا، اگر انہوں نے ان کی قربانیوں کو نہیں سمجھا، تو رب العزت بھی نہ بھولتا ہے نہ گمراہ ہوتا ہے ، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بلند و بالا مواقف کو ان کے اعمال نامے میں شمار کرے گا جب ہر بوجھ اپنی جگہ پر رکھا جائے گا۔

یہودیوں نے اس ملاقات کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ سلطان کو معزول کریں گے، اور قرہ صوہ آفندی نے انہیں ایک برقی پیغام بھیجا، جس میں کہا کہ آپ کو اس ملاقات کی قیمت اپنی بادشاہت اور جان سے چکانی پڑے گی۔

انہوں نے جمعہ کی نماز کے دوران اس مقام کو بم سے اڑانے کی کوشش کی ،جس پر سلطان بیٹھا کرتے تھے، لیکن اللہ نے انہیں محفوظ رکھا ، پھر انہوں نے افسران اور اعلیٰ حکام سے تعلقات

قائم کرنا شروع کر دیے، خاص طور پر سالونیک میں ماسونک لاجز کے ذریعے (فری میسن)، انہوں نے ماسونک لاجز کو پھیلایا اور آئین کے نفاذ کا مطالبہ کیا (یہود اور نصاریٰ کو مسلمانوں کے برابر کرنے کے لیے) فوج کے کچھ دستے متحرک ہوئے اور ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ کو سلطان کو آئین نافذ کرنے پر مجبور کیا، اس کے بعد مجلس مبعوثین (مجلسِ نمائندگان) کا انتخاب ہوا، جس میں یہودی اور نصاریٰ شامل ہوئے جو ماسونک لاجز میں تربیت یافتہ تھے، نو مہینوں کے اندر ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ کو نوجوان ترک تنظیم (اس تنظیم کا نام پہلے نوجوان عثمانی تھا، پھر نوجوان ترک رکھا گیا، اس کے بنیادی ارکان ملٹری اور میڈیکل اسکولز کے نوجوان طالب علم تھے) کے ہاتھوں سلطان عبد الحمید کو معزول کر دیا گیا۔

فری میسن ایک تعارف

یہاں فری میسن کا تعارف ضروری ہے، خلافتِ عثمانیہ کا سقوط میں بھی فری میسزی کا کردار رہا، جیسے کہ مذکورہ سطور میں جان چکے ہیں، اس کا مفصل تعارف ہمارے محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب کی کتاب "یہودی تنظیمیں" میں جان سکتے ہیں، یہ چند اوراق اس تفصیل کے متحمل نہیں، بندہ ان تفصیلات کو اجمالاً پیش کر رہا ہے، یہودیوں کی بہت سی تحریکیں ہیں، جو مختلف طریقوں سے اپنے ہدف کے لیے کوشاں ہیں، لیکن ان میں سے ایک انتہائی خفیہ، حد درجہ موثر، سب سے زیادہ خطرناک ہے اور وہ انٹرنیشنل فری میسزی "International "Feemasonry ہے، اس کا ہدف عموماً صاحب ثروت، اربابِ حکومت، اور صدر مملکت وغیرہ ہوتے ہیں، ہر ملک میں ان کے خفیہ مراکز قائم ہیں، جنہیں لاج کہا جاتا ہے، پھر ان لاجز میں درجہ بندی ہوتی ہے، باہم دو درجات والے ربط و ضبط نہیں رکھ سکتے، باہم کوئی کسی درجے کے مقاصد و منصوبوں کو کسی صورت نہیں جان سکتا ہے، ان کی گفتگو ان کی پہچان مختلف کوڈز اور خفیہ اشاروں میں ہوتی ہے، جیسے کہ شکل مثلث، اس تنظیم کا رکن بننے کے لیے کسی رنگ و مذہب کی قید نہیں ہے، رکن بننے کے بعد انہیں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ پتہ بھی نہیں چلتا، ان کا ہیڈکوارٹر تک پردۂ خفا میں رہتا ہے، فری میسن نے بدنام زمانہ تنظیم نائٹ ٹمپلرز سے جنم لیا ہے، یوں سمجھیے کہ نائٹ ٹمپلرز، فری میسن کی شکل میں وجود پزیر ہوئی ہے، نائٹ ٹمپلرز نے فلسطین کے دارالحکومت القدس میں یورپ کے صلیبیوں کے قبضے کے دوران ترقی پزیر ہوئی تھی، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے جب القدس فتح کیا تو ٹمپلرز اپنے منصوبوں سمیٹ

سمیت یورپ منتقل ہوگئے ، اس تنظیم کا ڈھانچہ اہرام مصر کی شکل رکھتا ہے ، اس میں کچھ اعتبار سے مماثلت ہے ، فری میسن کے خیال میں اہرام مصر کا بنانے والا ماسٹر مین ایک آنکھ والا تھا ، جو ادنی درجے کے مزدوروں پر خاص نظر رکھتا تھا ، فری میسن تنظیم میں بھی ادنی درجے کے کارکنوں کو سامنے رکھ کر کام لیا جاتا ہے اور ان پر خاص توجہ رکھی جاتی ہے ، اہرام کی چوٹی پر ایک آنکھ نصب ہے ، جسے میسونک لارڈ کہا جاتا ہے ، جس کا مطلب ہے کہ اپنے ماتحتوں پر چیل سی نظر رکھی جاتی ہے ، نیز اس میں دیگر تنظیموں کی طرح درجے پائے جاتے ہیں ، ان درجات کو ڈگری کہا جاتا ہے ، اس کے تنظیمی ڈھانچے دو طرح کے ہیں ، ایک کو اسکاٹش رائٹ کہا جاتا ہے ، یہ تین ڈگریوں پر مشتمل ہے ،

(۱) ابتدائی درجہ Apprentice Intered " انٹرڈ اپرنٹس" یہ نئے آنے والوں کے لیے ہوتا ہے۔

(۲) ثانوی درجہ Craft Fellow۔" فیلو کرافٹ " نو وارد شخص کو پرکھنے کے بعد فری میسنری کے تصورات سے مطابقت رکھنے کی صورت میں یہ ڈگری دی جاتی ہے ۔

(۳) آخری درجہ Master mason۔ " ماسٹر میسن " ۔

تیسری ڈگری اولیں دو ڈگریوں کے بعد ہی ملتی ہے ، نیز اولیں دو درجات پر کسی طرح کا کوئی راز کھولا نہیں جاتا ہے ۔

دوسرے ڈھانچے کو امریکی رائٹ کہا جاتا ہے ، اس میں ۳۳ ڈگریاں ہیں ، بہت کم افراد ان بلند درجات پر فائز ہوتے ہیں ، نیز ہر امیدوار سے حلف لیا جاتا ہے ، حلف کے خلاف ورزی پر سزا بھی دی جاتی ہے ۔

فری میسن نے اپنی تنظیم کے افراد کی شناخت خفیہ رکھنے کے لیے کچھ علامات و نشانات وضع کی ہیں یہ دو قسم پر ہیں ،

پہلی قسم : جنہیں فری میسن پھیلانا چاہتی ہے تاکہ جب مناسب وقت میں انہیں سامنے لایا جائے تو کسی کو قبول کرنے میں تردد نہ ہو ، کچھ علامات یہ ہیں ...

(۱) آنکھ میسونک لارڈ Masonic lodge۔ (۲) ڈالر کا نشان $ ۔

(۳) حرف یہ Geometry یا The Universe Grand Arehitect کا مخفف ہے ۔

(۴) ڈبل اسکوائر ، Square and Compass۔

دوسری قسم : وہ خفیہ علامات ہیں جن سے صرف ماسٹرز مین واقف ہوتے ہیں ، وہ علامات یہ ہیں ..

(۱) خصوصی مصافحہ : یہ ادھورا مصافحہ ہوتا ہے جس میں آپ کی ہتھیلی دوسرے شخص کی ہتھیلی سے پوری طرح نہیں ملتی بلکہ محض ایک دوسرے کی انگلیاں چھوئی جاتی ہیں ، اس طرح آپ کا انگوٹھا از خود دوسرے فرد کی انگلیوں کی پشت پر کسی انگلی کے جوڑ سے مس کرتا ہے ، آپ اپنا رتبہ یا درجہ بتانے کے لیے اپنے انگوٹھے سے دوسرے فرد کی متعلقہ انگلی کا جوڑ دباتے ہیں ، اگر آپ پہلی ڈگری یعنی ابتدائی درجہ کے مین یعنی " انٹرڈاپرنٹس" ہیں تو آپ دوسرے شخص کی انگشت شہادت کا جوڑ دبائیں گے ،اگر آپ دوسرے یعنی ثانوی درجے کے مین یعنی فیلو کرافٹ ہیں تو درمیانی انگلی کا جوڑ دبائیں گے اور اگر تیسری ڈگری رکھنے والے رکن یعنی ماسٹر مین ہیں تو آپ تیسری انگلی یعنی رنگ فنگر کا جوڑ دبائیں گے ، سامنے والا " برادر جواب میں اپنی ڈگری کے مطابق آپ کی متعلقہ انگلی کو دبائے گا ،اس کے بعد لاج اور ممبر شپ کے بارے میں دوسری معلومات کا تبادلہ ہوگا ، اگر وہ میسن نہیں ہے تو اسے آپ کے اشارے کی سمجھ نہیں آئے گی اور آپ کی شناخت نہیں ہو سکے گی۔

(۲) مخصوص جملے : بیوہ کا بیٹا Widow of Son فری میسنز کا ایک اشارہ ہے ، اگر آپ کسی ایسی پوزیشن میں ہیں کہ مصافحہ نہیں کر سکتے تو پھر آپ اپنی فری میسنری کا اعلان یہ مخصوص جملہ کہہ کر بھی کر سکتے ہیں ، اسے آپ اپنی گفتگو کے دوران کسی وقت بھی ادا کر سکتے ہیں۔

(۳) مخصوص اشیاء : جن میں فری میسن سے جڑے شخص کی معرفت علامات دیکھ کر کی جاتی ہے ، جن میں انگوٹھی، اسٹڈ، بریسلیٹ اور آرائشی اشیا شامل ہیں ، گھروں اور دفاتر وغیرہ میں نمایاں نظر آنے والی علامات میں کمپاس ، مربع ، تکون ، اہرام اور چھ کونوں والا ستارہ داؤدی بھی شامل ہے ، اسی طرح اگر ملازمت کے لیے درخواست دینی ہے تو اپنی شناخت بتانے کے لیے درخواست کے

کاغذ کو مخصوص انداز میں تہہ کرنا ہوتا ہے یا اس پر انگریزی لفظ A لکھنا ہوتا ہے ۔

(۴) جادوئی علامات : جادو میں استعمال ہونے والی چیزیں بھی فری میسنری کی مخصوص علامات ہیں ، مثلاً : انسانی کھوپڑی اور ہڈیاں ، بکرے کے سینگ یا ہاتھ سے ایسا اشارہ جو سینگوں کی شکل بنائے ، یہ اشارہ در اصل شیطان کے سینگوں کی شبیہ ہے ، اُلو یا دیگر حرام جانوروں کے پر سانپ یا اژدھے کی مختلف شکلیں، شطرنج کا نشان، سانپ کی طرح بل کھاتی سیڑھی، 666 کا ہندسہ وغیرہ ۔

فری میسن سے منسلک چند مشہور شخصیات

فری میسن کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنا نمائندہ تلاش کرے ، اور ان سے اپنا کام نکالے ، چند شخصیات یہ ہیں : ترکی کا مصطفی کمال پاشا ، ایران کا آخری بادشاہ شاہ رضا بہلوی ، مصر کا صدر جمال عبد الناصر ، ایران کا وزیراعظم امیر عباس ، افغانستان کا امیر حبیب اللہ خان ، مصر کا صدر انور سادات ، فلسطین کا صدر یاسر عرفات ، ہندوستان کا لال کرشن ایڈوانی ، اور بال ٹھاکرے ، موجودہ فلسطین کا صدر محمود عباس ۔

فری میسن سے متعلق مشہور تحریکیں

قادیانی ، بہائی ، اسماعیلی شیعہ ۔

فری میسن سے متعلق چند مشہور ادارے

(۱) روٹری انٹرنیشنل Rotary International (۲) لائنز Lions (۳) این جی اوز NGOs۔

فری میسن سے منسلک ذیلی تنظیمیں

(۱) الیومیناتی Illuminati (۲) کمیٹی آف 300 the 300 - Committee of 300 (۳) شرائنرز Shriners۔

فری میسن کے سات مخصوص ہتھکنڈے

(1) با اثر حلقوں میں رسوخ حاصل کرنا ، (2) مذہبی طبقات میں رسوخ حاصل کرنا ،

(3) معاشرے کے اہم طبقات کو ایک دوسرے سے دور کرنا، (4) عوام میں افراتفری پھیلانا، (5) مذہبی رہنماؤں میں پھوٹ ڈلوانا، (6) مخالفین کو شہید کرنا، (7) مخالف جماعتوں میں اپنے ایجنٹ داخل کرنا۔

فری میسن کے سات خطرناک حربے

(۱) دینی، سیاسی اور عسکری قیادت کو بے اعتبار یا ختم کر دینا، (۲) احساس محرومی، شورش و انتشار اور غیروں سے امیدیں، (۳) بے مقصد تنازعات، لایعنی مباحث اور فرضی مسائل، (۴) قیادت کے اہل افراد کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ، (۵) اپنا کام نکالنے کے لیے مخلص افراد کو آپس میں لڑوانا، (۶) مذہبی و اخلاقی پستی پھیلانا اور کھیل تماشوں کو فروغ دینا، (۷) مذہب کے مسلمہ امور کو مشکوک بنانا۔

فری میسن کا مختصر تعارف آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، مزید تفصیل مفتی صاحب کی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں، یہ نقشہ بھی دیکھ لیجیے جس میں بیشتر علامات موجود ہیں...
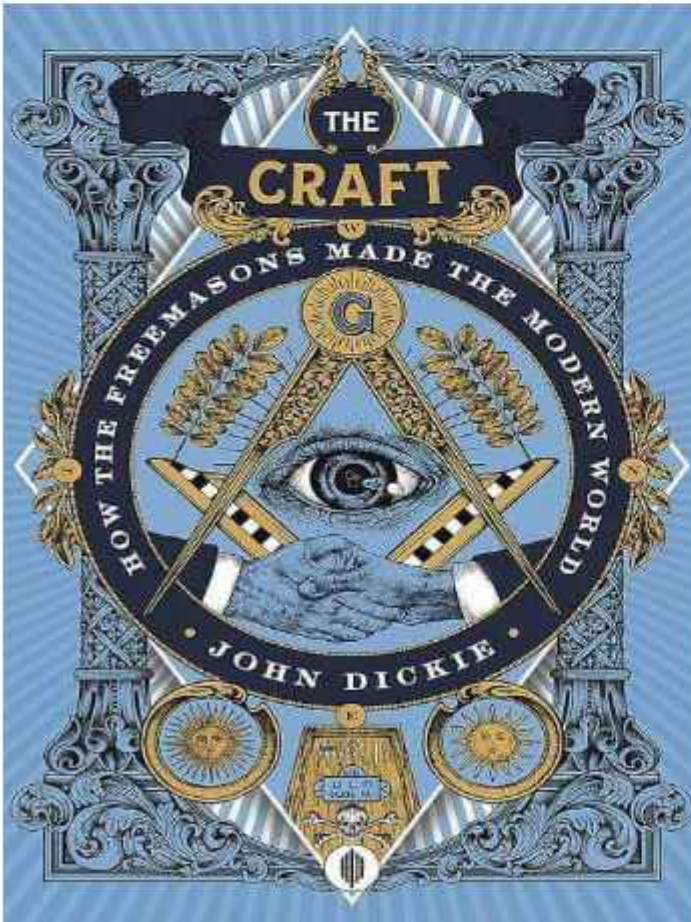
الغرض یہودیوں نے خلافت عثمانیہ سے معاہدے کا سوچا، لیکن سلطان عبد الحمید نے فری میسن کے ان گماشتوں کے ناپاک عزائم کو بخوبی بھانپ لیا تھا، انکار کی صورت میں برطانیہ سے معاہدے کا سوچا چونکہ اس وقت برطانیہ بھی سپر پاور خیال کیا جاتا تھا، برطانیہ کو سائنس و ٹیکنالوجی فراہم کرنے کی، جنگی اخراجات کو پورا کرنے کی بلکہ ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی، ان دنوں برطانیہ جنگ عظیم اول کی تیاری میں مصروف تھا، 1914 سے1018 تک کا عرصہ جنگ عظیم اول کا ہے، اس میں برطانیہ کے مقابل جرمنی کو شکست ہوئی، خلافت عثمانیہ بھی جرمنی کے

ساتھ تھی ، جرمنی کی شکست گویا خلافت عثمانیہ کی شکست تھی ، جس کے نتیجے میں ترکی کی خود مختاری خطرے میں پڑ گئی اور متحدہ افواج ترکی میں داخل ہوگئی ، مزید ترکی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی حدود سے باہر تمام علاقوں سے دستبردار ہوگا ، چنانچہ ترکی اپنی چہار دیواری میں محصور ہو کر رہ گئی ، اب فلسطین پر قبضہ آسان تھا ، جنگ کے اختتام سے کچھ عرصہ قبل 2 نومبر 1917ء کو برطانیہ کے وزیر خارجہ آرتھر جیمز بالفور نے برطانیہ کی جانب سے یہودیوں کے لیے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کی حمایت کا اعلان کیا ، اس معاہدے نے مشرق وسطیٰ کی سیاست میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا کی اور فلسطینی تنازعے کی بنیاد رکھی ، اس معاہدے کو بالفور ڈکلیریشن کے نام سے جانا جاتا ہے ۔

بالفور اعلامیہ کے ساتھ ساتھ برطانیہ نے مفتوحہ علاقوں کو اپنی تحویل میں لے لیا ، جن میں سے ایک فلسطین بھی تھا ، چونکہ یہ کھیر پہلے ہی تیار کی جا چکی تھی ، اس لیے برطانیہ نے 1920 سے لے کر 1945 تک اسے زیر کنٹرول رکھا ، اور اس دوران اسی کا نمائندہ حکومت کرتا رہا ، فلسطین پر قابض ہوتے ہی اس نے خلافتِ عثمانیہ کا وہ قانون منسوخ کردیا جس میں فلسطین کی زمینیں فروخت کرنے اور خریدنے پر ممانعت تھی ، پھر کیا تھا کہ دنیا کے کونے کونے سے یہودی آنے لگے اور زمین خریدنے لگے ، اس وقت کے علماء مفتیان کرام نے فروختِ اراضی پر حرمت کا فتویٰ دیا ، لیکن کسی نے کان نہ دھرے ، گرچہ زمینیں گراں قیمت میں فروخت ہوئی لیکن ارض فلسطین دشمن کے ہاتھوں چلی گئی ۔

پھر خلافتِ عثمانیہ کو 1924 میں مصطفی کمال اتاترک کے زیر قیادت ترک قومی تحریک کے نتیجے میں ختم کر دیا گیا ، خلافت عثمانیہ (1924–1299) ایک وسیع اور طاقتور سلطنت تھی جس کا دائرہ کار تین براعظموں تک پھیلا ہوا تھا ، جس میں جنوب مشرقی یورپ کے حصے یونان، بلغاریہ، سربیا، بوسنیا، مقدونیہ، البانیا، اور رومانیہ کے کچھ حصے شامل تھے ، اسی طرح مشرقی یورپ میں ہنگری اور یوکرین کے جنوبی علاقے ، ترکی کا یورپی حصہ تھریس ، استنبول بھی شامل تھے ، اسی طرح مشرق وسطیٰ میں موجودہ ترکی ، شام، لبنان، اردن، فلسطین عراق ، حجاز (مکہ، مدینہ) اور یمن جیسے اہم ملک شامل تھے ، اسی طرح شمالی افریقہ میں سے مصر ، لیبیا ، تیونس، الجزائر، اور مراکش کے کچھ حصے شامل تھے ، اسی طرح ایشیا میں سے قفقاز کے کچھ حصے (آرمینیا اور آذربائیجان کے علاقے) اور وجودہ ایران و افغانستان کے کچھ مغربی علاقے خلافت کے زیر اثر تھے

، اسی طرح بحیرہ روم اور بحیرہ احمر میں سے اہم جزائر :قبرص، کریٹ، اور روڈز ، بحیرہ احمر کے ساحلی علاقے خلافت عثمانیہ کے زیر سایہ تھے ، خلافت عثمانیہ 1299 میں قائم ہوئی اور 1924 میں ختم ہوئی، اس لحاظ سے یہ تقریباً 625 سال تک قائم رہی ۔

خلاصہ : سلطان عبد الحمید 31 اگست 1876ء سے 27 اپریل 1909ء تک سلطنت عثمانیہ کے سلطان رہے ، نوجوانانِ ترکی کی تحریک Movement Turks Young ، سلطان کی آمرانہ حکمرانی اور خلافت کے طرزِ عمل کے خلاف ابھری ، نوجوانانِ ترکی نے آئینی حکومت کا مطالبہ کیا اور 1908ء میں انقلاب کے ذریعے سلطان کو آئینی بادشاہت بحال کرنے پر مجبور کیا ، 1909ء میں ایک مذہبی اور سیاسی بغاوت ہوئی، جسے 31 Incident March ، تیرہ مارچ کا واقعہ " کہا جاتا ہے ، یہ بغاوت سلطنت کی آئینی حکومت کے خلاف تھی، لیکن نوجوانانِ ترکی نے اسے دبایا اور اس کا الزام سلطان عبد الحمید پر ڈال دیا ، اس واقعے کے بعد عثمانی پارلیمان نے سلطان عبد الحمید کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا 27، اپریل 1909ء کو انہیں باضابطہ طور پر تخت سے ہٹا دیا گیا اور ان کے بھائی سلطان محمد پنجم کو تخت پر بٹھایا گیا ، معزولی کے بعد سلطان عبد الحمید کو قید کر کے سلانیک (آج کا یونان) بھیج دیا گیا، جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال گزارے ، بعد میں 1912 میں بلقان جنگ کے دوران سلونیکا پر یونانی قبضے کے خدشے کے پیش نظر، سلطان عبد الحمید کو واپس استنبول منتقل کر دیا گیا ، سلطان عبد الحمید دوم کا انتقال 10 فروری 1918ء کو استنبول کے بیلربے محل Palace Beylerbeyi میں ہوا ، جہاں وہ اپنی معزولی کے بعد نظر بند تھے، سلطان عبد الحمید کی معزولی کے بعد سلطنت عثمانیہ تیزی سے زوال پذیر ہوئی، اور 1924ء میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد اقوام متحدہ نے فلسطین کی تقسیم کے لیے 29 نومبر 1947ء کو ایک منصوبہ پیش کیا جسے " اقوام متحدہ کی قرارداد "181 کے نام سے جانا جاتا ہے ، یہ منصوبہ فلسطین کو دو ریاستوں، ایک یہودی ریاست اور ایک عرب ریاست جبکہ یروشلم (بیت المقدس) کو ایک بین الاقوامی شہر کے طور پر تقسیم کرتا تھا ، بالفاظ دیگر یہ دو ریاستی فارمولہ تھا ، چنانچہ اقوام متحدہ نے فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ، یہودی ریاست میں فلسطین کے شمالی علاقے " الجلیل " ساحلی علاقے " تل ابیب، حیفہ " اور جنوب میں نیگیو کے صحرائی علاقے شامل تھے ، عرب ریاست میں مغربی کنارے ، غزہ پٹی اور جنوبی فلسطین کے کچھ حصے شامل تھے اور تیسرا حصہ یروشلم اور اس کے ارد

گرد کے علاقے کو اقوام متحدہ کے کنٹرول میں ایک بین الاقوامی شہر قرار دیا گیا، تاکہ یہودیوں، مسلمانوں، اور عیسائیوں کے مقدس مقامات کا تحفظ کیا جا سکے ، کچھ ماہ بعد 14 مئی 1948ء کو یہودیوں نے فلسطین کے تقسیم منصوبے کے تحت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا ،اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد دوسرے دن عرب ممالک (مصر، اردن، شام، لبنان، اور عراق) نے اسرائیل پر حملہ کر دیا ، اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے اپنی حدود کو اقوام متحدہ کے منصوبے سے زیادہ بڑھا لیا ، یروشلم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ، مغربی حصہ اسرائیل کے کنٹرول میں اور مشرقی حصہ اردن کے کنٹرول میں چلا گیا ، اور سات لاکھ فلسطینی عربوں کی کھیپ مہاجر بن کر رہ گئی ، یہ جنگ عرب اسرائیل ، اور نکبہ کے نام سے جانی جاتی ہے ۔

جنگ سویز : کچھ سال گزرنے کے بعد مصر کے صدر جمال عبد الناصر نے سویز نہر کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا، جس پر پہلے برطانیہ اور فرانس کا کنٹرول تھا ، برطانیہ، فرانس، اور اسرائیل نے مل کر 29 اکتوبر 1956 کو مصر پر حملہ کیا ، یہ جنگ جاری رہی ، پھر 6 نومبر 1956 کو اختتام ہوا ، یہ جنگ جنگ سویز Suez Crisis کہلاتی ہے ۔

چھ روزہ : اسرائیل اور ہمسایہ عرب ممالک (مصر ، شام ، اردن) کے درمیان کشیدگی عروج پر تھی ، اسرائیل نے 1967ء میں عرب ممالک پر پہلے حملہ کیا یہ جنگ 5 جون سے 10جون تک جاری رہی ، اس جنگ کو Six–Day War یعنی چھ روزہ جنگ کہا جاتا ہے ۔

یوم کپور جنگ : 6 اکتوبر 1973 کو شروع ہوئی اور 25 اکتوبر 1973 تک جاری رہی ، یہ جنگ اسرائیل اور عرب ممالک، خاص طور پر مصر اور شام کے درمیان ہوئی ، مصر کے صدر انور السادات نے فیصلہ کیا کہ جنگ کے ذریعے گولان کی بلندیوں اور سینائی کے صوبے کو چھوڑنے کا مطالبہ کرنے کی کوشش کی جائے ،ابتدائی دنوں میں مصری اور شامی افواج نے بہتر کارکردگی دکھائی اور کئی مقامات پر اسرائیلی دفاع کو توڑ دیا ، ابتدائی کامیابیوں کے باوجود، اسرائیل نے جلد ہی اپنی افواج کو منظم کیا اور جوابی حملے شروع کیے، خاص طور پر جنوبی محاذ سینائی پر ، امریکہ نے اسرائیل کی حمایت میں ہتھیاروں اور رسد کی مدد فراہم کی، جبکہ سوویت یونین نے عرب ممالک کی حمایت کی ، آخر کار 25 اکتوبر 1973 کو جنگ بندی ہوئی، جو ایک غیر متوازن جنگ کے بعد آئی، جس میں دونوں طرف کی بڑی جانی اور مالی نقصان ہوا ، جنگ کے بعد، اقوام متحدہ نے قرارداد 338 پیش کی، اور اس کے نتیجے میں ایک نئے امن عمل کا آغاز ہوا، جو بعد میں کیمپ

ڈیوڈ معاہدے کی صورت میں سامنے آیا ، اس جنگ کو War Yom Kippur کہا جاتا ہے ۔

لبنان جنگ : جسے "اسرائیلی لبنان جنگ" بھی کہا جاتا ہے، فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن ،(PLO) نے لبنان میں اپنی موجودگی بڑھائی، جس کی وجہ سے اسرائیل کی سرحدوں پر خطرات میں اضافہ ہوا ، اس جنگ کا آغاز 6 جون 1982 کو ہوا جس میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا اور شمالی لبنان میں داخل ہوگیا ، اس کی وجہ سے لبنان میں مختلف فرقوں اور گروپوں کے درمیان کشیدگی بڑھی ، اس جنگ کا بنیادی مقصد لبنانی شہر بیروت میں موجود فلسطینی مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو ختم کرنا تھا۔

پہلی انتفاضہ : اس کے بعد بھی مزاحمت جاری رہی 1987ء میں غزہ پٹی کے علاقے میں ایک اسرائیلی فوجی گاڑی کے ساتھ حادثے میں چار فلسطینیوں کی موت ہوئی، جس کے بعد مظاہروں اور احتجاج کی لہر شروع ہوئی ، یہ مظاہرے جلد ہی پورے مغربی کنارے، غزہ، اور مشرقی یروشلم میں پھیل گئے ، اسکول اور کالج کے طلبہ نے اس تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا ، یہ مزاحمت انتفاضۂ اولی کہلائی ، پہلی انتفاضہ کے نتیجے میں فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (PLO) اور اسرائیل کے درمیان اوسلو معاہدہ ہوا، فلسطینی اتھارٹی کا قیام عمل میں آیا، لیکن اہم مسائل جیسے : یروشلم، مہاجرین، سرحدیں ، حل نہیں ہو سکے۔

دوسری انتفاضہ : اسرائیلی رہنما ایریل شیرون نے 28 ستمبر 2000ء کو یروشلم میں مسجد اقصیٰ کے احاطے کا دورہ کیا، جسے فلسطینیوں کی جانب سے اشتعال انگیزی سمجھا گیا ، چنانچہ پھر پتھر بازی ، دھماکے ، خود کش حملے ہوئے ، اس میں حماس اور جہاد اسلامی جیسی تنظیمیں سرگرم رہیں یہ مزاحمت پھر انتفاضۂ ثانیہ کہلائی ، اس میں تقریباً 3000 فلسطینی اور 1000 اسرائیلی ہلاک ہوئے ، فلسطینی معیشت تباہ ہوگئی، اور اسرائیل نے مغربی کنارے پر مزید کنٹرول حاصل کیا ، البتہ اتنا فائدہ ہوا کہ غزہ پٹی میں حماس کا اثر و رسوخ بڑھا، پہلی اور دوسری انتفاضہ میں فرق یہ تھا کہ پہلی انتفاضہ زیادہ پرامن اور عوامی تحریک تھی، جبکہ دوسری انتفاضہ زیادہ پرتشدد تھی۔

اس کے علاوہ حماس اور اسرائیل کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہیں ، بالآخر طوفان الاقصی جیسا عظیم الشان معرکہ قائد و شہید شیخ یحییٰ سنوار رحمہ اللہ کی سرکردگی میں پیش آیا جس نے اسرائیلی ٹیکنالوجی کی دھجیاں بکھیر دیں ، خدا ہی جانے یہ سلسلہ کب تک جاری رہتا ہے ، ممکن ہے یہ

جنگ تیسری جنگ عظیم کا پیش خیمہ ہو ، فی الحال ملک شام کی فتح نے ساری قیاس آرائیوں کی تغلیط کردی ہے ، ظلم و ستم کے ایک طویل دور کا خاتمہ ہوگیا ، ان شاءاللہ یہ جہاد کی مقدس لہریں مزید آگے اپنا سفر جاری رکھے گی ، فلسطین آزاد ہو گا ، یہود کے تانے بانے بکھر کر رہ جائیں گے، یہ کچھ تفصیل تھی مظلوم فلسطین کی جس کے دامن کو تار تار کرنے کی کوششیں اب تک جاری ہیں، اور اہل فلسطین مسلسل ان مظالم کو سہتے آ رہے ہیں ، اہل فلسطین کے صبر و استقامت کو سلام ہو اگر کوئی اور قوم ہوتی تو اب تک پسپائی اختیار کر گئی ہوتی ، ان شاءاللہ اسرائیل جیسی جونک کا خاتمہ ہو گا ، صفحۂ ہستی پر اس کا وجود تک مٹ جائے گا ، خوردبین و دوربین سے دیکھنے والے بھی بھی اسے دیکھ نہ سکیں گے ، ان شاءاللہ ...

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کچھ کتاب کے بارے میں

یہ کتاب جس کا نام أشرف البعلوجی ہے ، ہمارے قائد و شہید کے وہ تابندہ و درخشندہ نقوش ہیں جسے آپ نے شہسوار حماس ، قافلۂ صدق و صفا ، کے عظیم مجاہد أشرف حسن یوسف البعلوجی کے لیے سینۂ قرطاس پہ ثبت کیے تھے ، جس میں مزاحمت کی تفصیل ، اہل فلسطین کا درد و کرب ، تحریک حماس کی جد و جہد ، غزہ کی مرکزیت کو ادبی اسلوب میں بحسن و خوبی بیان کیا ہے ، یہ کتاب عربی زبان میں ستر صفحات میں چار فصلوں پر مشتمل ہے ، انٹرنیٹ کے توسط سے صرف ایک ہی نسخہ ہاتھ آیا جو تقریبا 1992 کا ہے ، بندے نے فوراً ترجمہ کا کام شروع کردیا ، اور اصل کتاب سے قبل فلسطین کی مختصر تاریخ پر روشنی ڈالی ہے ، تاکہ قاری کے لیے قضیہ فلسطین کو سمجھنا نہایت آسان ہو ، ہمارا مقصد لوجہ اللہ بندگانِ خدا کو ظلم و تعدی کے خلاف برانگیختہ کرنا ہے ، اپنی شریعت و دین محمد کی حفاظت ، اور کفریہ نظام کو ختم کرکے نظام خلافت کو قائم کرنا ہے ، اس کتاب کا ترجمہ کچھ مقامات پر محاوری کیا گیا ہے ، البتہ بیشتر مقامات پر لفظی ترجمہ کیا گیا ہے ، لیکن اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے، کہ مطلب فہمی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے ، قارئین کرام جانتے ہیں کہ ترجمہ کرنا کس قدر مشکل ترین کام ہے ، پھر کتاب ادبی رنگ میں رنگی ہو تو ترجمہ اور بھی دشوار گزار ہوتا ہے ، مزید یہ کہ لکھاری ایک ادیب عربی داں ، انقلابی شخص اور

تاریخ کے نشیب و فراز سے پوری طرح واقف ہے ، مزید عربی زبان کی معنوی گہرائی ، خوبی و محاسن ، الفاظ و بیاں کی کشش و جاذبیت کا ایک اپنا ہی جہاں ہے ، ظاہر بات ہے ان تمام خوبیوں سمیت ترجمہ نگاری حد درجہ مشکل ہوتی ہے ، حتی الامکان بندے نے کوشش کی ہے ، پھر بھی اغلاط کا رہ جانا امر یقینی ہے ، لا ریب و بے عیب ، اغلاط و خطا سے پاک رہنا کتاب اللہ کی صفت ہے ، اگر کسی اعتبار سے کمی نظر آئے تو بندہ اہل ذوق اہل علم حضرات سے معذرت خواہ ہے ، اللہ تعالیٰ بذل مجہود کو قبول فرمائے جہاد و شہادت میں ہمیں بھی حظ وافر عطا فرمائے ، محبوبیت مقبولیت اور عافیت سے نوازے ، آمین

طالب العلم و الشهادة : حامد قاسم

11/12/2024-۸/۶/۱۴۴۶

بسم الله الرحمن الرحيم

من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا ." وقال رسول الله . يوم القيامة صلى الله عليه وسلم " أهل الشام في رباط الى وخير رباطكم عسقلان " وقال على لسان ربه مخاطبا الشامي يا شام أنت خيرتي من بلادي أسوق اليك صفوتي من عبادي . " فرسان الحماس"-

مقدمہ

شہسوارانِ حماس

الحمد لله رب العالمين الذي أنعم علينا بأن جعلنا مسلمين فشرفنا بالانتساب اليه سبحانه وتعالى والصلاة والسلام على سيد خلق الله رفع اللواء لتحرير الانسان ولسيادة الحق على الأرض وسلمنا الراية من بعده لنلبي نداء الله الذي لبى من قبل " إنفروا خفافا وثقالا وجاهدوا بأموالكم وأنفسكم في سبيل الله ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون " التوبة . وبعد

یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا ، یہ میرے لیے فخر اور اعزاز کی بات ہے کہ میں اس سلسلے کو داستانِ شجاعت کے شاندار و خوشگوار صفحات پر قلمبند کر رہا ہوں ، جو اُس لا زوال معرکۂ حق کے بارے میں ہے جو تاریخ کے آغاز سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جب تک کہ اللہ اس زمین اور اس پر موجود ہر چیز کا وارث نہ ہو جائے ، جاری رہے گا۔

جی ہاں ، یہ میرے لیے فخر کی بات ہے کہ میں اس دفتر و قرطاس پہ لکھنے کے قابل ہوں جہاں میں تاریخ کو درج کر رہا ہوں ، اور اس قوم و عوام اور ان مقدسات کی تاریخ کے نازک اور مشکل مرحلے کی دستاویز تیار کر رہا ہوں ، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ عظیم شرف بخشا کہ میں اس عظیم داستان کے حوادثات کو قریب سے دیکھ رہا ہوں ، یہ میرے لیے ایک عظیم شرف ہے۔

یہ ایک عظیم شرف ہے کہ مجھے ان بہادر شہسواروں سے ملنے کا موقع ملا جنہیں انبیاء کی تعلیمات

نے تراشا، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ، ان کے قریب ہو کر میں نے ان کے ساتھ لحہ بہ لحہ زندگی گزاری، ان کے ساتھ درد و غم اور امیدوں کا حصہ بنا ، میں نے ان کے ساتھ حق کے بلند و بالا اور لہراتے پرچم اور آزادی کے سورج سے روشن مستقبل کی مسکراہٹ کے ساتھ زندگی گزاری ، ہاں یہ شرف ہے ، یہ کیسا شرف ہے کہ انسان ان شہسواروں کے ساتھ زندگی گزارے جنھوں نے موت کا سامنا کیا، اسے للکارا اور اس کا پیچھا کیا، اور اسے انتظار نہ کرنے دیا کہ وہ انہیں ان کے بستروں میں آ پکڑے ، ہاں یہ شرف ہے ، یہ کیسا شرف ہے کہ میں ان کی بہادری کی کہانیاں خود ان کی زبانی سنوں تاکہ میں انہیں پہلے اپنے زخم خوردہ وطن فلسطین کے پیاروں تک اور پھر پورے اسلامی دنیا تک پہنچا سکوں ، تاکہ دیگر احباب ان اسلامی فدائیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیروں کا نمونہ اور مثال بن کر زندگی گزاریں ، یہ وہ گروہ ہے جس نے موت کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ زندہ شہید بن کر سامنے آئیں ، وہ لوگوں کے درمیان رہتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، سوتے اور جاگتے ہیں، لیکن در حقیقت شہداء ہیں ، ہاں انہوں نے موت کو دل سے طلب کیا اور اس کی طرف صدق دل سے بڑھ گئے، اور خود کو اس کی آغوش میں ڈال دیا جہاں تمہیں جانا ہی پڑتا ہے ، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے وہ سبق دیا جو پہلے صحابہ کرام نے سیکھا تھا : احرص علی الموت توھب لک الحیاۃ ، یعنی موت کی خواہش کرو، تمہیں زندگی عطا ہوگی " ان کے رب نے (ان شاءاللہ) ان کا نام شہداء میں لکھا اور انہیں بقید حیات رکھا تاکہ وہ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو غیظ و غضب دلائیں جب بھی کوئی یاد کرنے والا انہیں یاد کرے یا کوئی حدی خواں ان کی نغمہ سرائی کرے ، یا کوئی راہی ان کے ناموں کو گنگنائے ، کیا یہ شرف کی بات نہیں کہ کوئی انسان ایسے شہسواروں کے جھرمٹ سے ملے اور ان کے ساتھ زندگی گزارے، ان کے ہاتھوں اور سروں کو بوسہ دے جنھوں نے اس قدر ترقی و عروج حاصل کیا کہ چھوٹے دل اور کم ہمت و کم حوصلہ افراد کے بس کی بات نہیں۔

عَلَى قَدرِ أَهلِ العَزمِ تَأتي العَزائِمُ   وَتَأتي عَلى قَدرِ الكِرامِ المَكارِمُ

وَتَعظُمُ في عَينِ الصَغيرِ صِغارُها   وَتَصغُرُ في عَينِ العَظيمِ العَظائِمُ

ترجمہ : صاحب ارادہ کی قدر کے موافق ان کے ارادے ہوتے ہیں ، اور اہل سخاوت کی قدر کے

موافق ان کے عمدہ کام ہوتے ہیں ، اور چھوٹے اور کم قدر شخص کی آنکھ میں چھوٹے قصد یا چھوٹے مکارم بڑے معلوم ہوتے ہیں ، اور بلند ارادہ شخص کی نظر میں بڑے کام بھی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں ۔

یہ لوگ اس مقام تک پہنچ گئے ہیں، لیکن ان کے قائد اب بھی اپنے دین، وطن اور امت کے حق میں خود کو کوتاہ خیال کرتے ہیں، مگر میں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں، جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ میرے لیے عزت اور فخر کی بات ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ کسی نے بھی مجھ سے اس میں مقابلہ نہیں کیا ، بھلا میرے جیسا کون ہے جس نے ایسی جماعت کی صحبت حاصل کی ہو، اس کے بارے میں لکھا ہو اور اس کا ریکارڈ محفوظ کیا ہو؟ اور اگرچہ اس عظیم فخر اور بے پناہ خوشی کے عالم میں میرے جذبات پرواز کر رہے ہیں اور میرا جوش و جذبہ عروج پر ہے، لیکن پھر بھی یہ کسی حال میں اور کسی صورت میں مجھے ان لوگوں کا ذکر کرنے سے نہیں روک سکتا جن کا احسان میرے اوپر ہے، اور یہ کوئی نئی بات نہیں ، کیونکہ یہ حق ہے، جس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ جب بھی کسی بہادر کا ذکر ہو تو اس کے استاد کا بھی ذکر ہونا چاہیے، اور جب بھی کسی ہیرو کا ذکر ہو تو اس کے کارنامے بنانے والے کا بھی ذکر ہونا چاہیے اور یہ بھی حق ہے، جس میں کوئی شک نہیں، کہ ہم احترام کے ساتھ کھڑے ہیں ان بہادروں کے استاد، ان کے مربی، ان کے رہنما، ان کے رمز اور ان کے سینوں میں بہادری کو بیدار کرنے والے، ان کے اعمال میں شجاعت پیدا کرنے والے، ان کی روحوں میں جوش و ولولہ بھرنے والے، ان کی گہرائیوں میں عظمت کی خواہش جگانے والے کے ساتھ ، جو انہیں موت کا پیچھا کرنے اور اس سے نبرد آزما ہونے کی ترغیب دینے والے ہیں ، وہ عظیم رہنما شیخ احمد یاسین ہیں، جی ہاں، وہ بلاشبہ اور بغیر کسی مقابلے کے ایک زندہ جاوید علامت ہیں جنہوں نے ان نوجوانوں کی روحوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی، جس کے نتیجے میں انہوں نے بے پناہ قربانیاں دیں، موت کا سامنا کیا، کارنامے انجام دیے، اور عظمت کو نور یا آگ کے حروف سے ، یا درد و امید کے حروف سے ، یا احمد یاسین کے حروف سے رقم کیا یہی وہ روح ہے جسے اللہ نے ہم پر اتارا ، جو حماس کی صورت میں آئی جو نفوس کو منتقل کرتی ہے تاکہ انہیں اس منصوبے کے شکار سے نکالے جس کا مقصد کرائے کے گروہوں کی تیاری ہے، جن کے ذریعے یہودی ، علاقے پر قبضہ کرکے اور انہیں مکمل جنگِ آزادی کے پیشوا میں تبدیل کرکے پوری دنیا پر حکومت کرنا چاہتے ہیں ۔

میں ایک بار پھر اس بات کا شرف حاصل کر رہا ہوں کہ میں حماس کے شہسواروں کی اس رزمیہ داستان کو لکھوں، تاکہ اس میں نمایاں حروف کے ساتھ عصر حاضر کے ہیرو شیخ احمد یاسین اور حماس کے بہادر جانباز شہسوار عامر ابو سرحان، اشرف البعلوجی، محمد ابو جلالہ، یاسر داؤد اور دیگر وہ حضرات جو اس پاکیزہ و شریف راہِ فروسیت پر گامزن رہے ، میں ان کے واقعات کو درج کر سکوں ، مجھے امید ہے کہ یہ شہسوار مجھے معاف کر دیں گے اگر میں نے غیر ارادی غلطی سے ان میں سے کسی کی حق تلفی کی ہو، یا ان کی قدر و منزلت کو کم بیان کیا ہو یا ان کے جذبات کو صحیح طریقے سے نہ سمجھ سکا ہو ، جس دن وہ ایک بہادر سورما بن کر آگے بڑھے ، شاید میں نے ان کے بارے میں لکھتے وقت حد تجاوزی کر دی ہو ، جبکہ وہ یہ پسند کرتے ہوں کہ ایک گمنام سپاہی اور نقاب پوش شہسوار کی حیثیت سے موت کو گلے لگا لیں جنہیں کوئی نہ جانتا ہو ، شاید انہوں نے وصیت بھی کی ہو ، لیکن اللہ عزوجل نے چاہا کہ ان کے چہرے سے نقاب اٹھا دے اور سب کے سامنے ان کا ذکر ہو، تاکہ آنکھیں خیرہ ہوں اور دل اصحابِ عظمت کے سامنے جھک جائیں، اور وہ شہسوارانِ حماس کو فخر و عزت کی نظر سے دیکھیں ، چاہیے کہ توحید کے نعرے پورے وطنِ اسلامی میں گونج اٹھیں، اور ان کے دل خوشی سے دھڑکیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو شوق سے بہیں، اور وہ یک زبان ہو کر یہ نعرے لگائیں ...

فتيان أحمد أوقدوا نار الفدى بحجارة وبخنجر وزجاج نار

شأمير أطرق صاغرا في ذلة و تعاظمت بحماسنا نور و نار

لو كان ينظر جيشه في رعبه فلم متاعه وارتحل أن إنفجار

لن يبق أخضر يابس يا ابن البلاد ستعود خيبر بل قريظة والفخار

ترجمہ : احمد کے نوجوانوں نے قربانی کی آگ جلائی ،پتھروں، خنجر اور شیشے کی آگ سے ،

شہنشاہ نے ذلت سے سر جھکا لیا اور ہمارے جوش و خروش سے روشنی اور آگ بڑھ گئی ،

اگر اس کی فوج خوف سے دیکھ رہی ہوتی تو وہ کیوں اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ گیا جب دھماکہ ہوا

یا ابناء وطن !کوئی ہریالی یا خشکی نہیں رہے گی ،خیبر اور قریظہ اپنی عظمت کے ساتھ لوٹیں گے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزوجل نے چاہا کہ ان کے چہرے سے نقاب اٹھا دے اور سب کے سامنے ان کا ذکر ہو، تاکہ آنکھیں خیرہ ہوں اور دل اصحابِ عظمت کے سامنے جھک جائیں، اور وہ شہسوارانِ حماس کو فخر و عزت کی نظر سے دیکھیں ، " فرسان الحماس" کا ۱۹ سالہ یہ بہادر، اشرف حسن البلوجی ، غزہ کا رہنے والا ہے۔

غزہ کی تاریخی حیثیت مدخل و مرکزیت

نقاب اٹھتا ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس بار ہمارا شہسوار غزہ کا ایک نوجوان ہے... کیا آپ نے بھی غزہ کا دورہ کیا ہے؟ کیا آپ نے بھی غزہ کے بارے میں کچھ جانا ہے؟ خواہ وہ اس کی بزرگ خواتین کی کہانیوں کے ذریعے ہو ، کیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ شہر غزہ روئے زمین پر عظیم ترین براعظم ایشیا کا سرحدی دروازہ ہے ؟ اور یہ وہ ناف نال ہے جو اسلامی دنیا کے ایشیائی اور افریقی حصوں کو جوڑتا ہے، اور کوئی بھی مسافر جو زمینی یا سمندری راستہ اپناتا ہے، وہ لازمی طور پر غزہ سے گزرتا ہے یا کم از کم اس کے قریب سے گزرتا ہے اور اگر حالات نے اسے مجبور کیا تو وہ غزہ میں قیام بھی کر سکتا ہے ، میرے ذہن و خیال سے یہ بات نہیں خارج نہیں ہوتی کہ تاریخ کے دوران جتنی بھی افواج نے ایک براعظم سے دوسرے براعظم کا سفر کیا، وہ لازمی طور پر غزہ شہر سے گزری ہیں، جو ایشیا کی دلہن ہے اور فلسطین کا سرحدی دروازہ ہے ، اور ایشیا کا سرحدی دروازہ ہونے کے علاوہ یہ اسلامی دنیا کا مرکز بھی ہے اور اس نے اس مقام کو اپنی حیثیت کی وجہ سے

حاصل کیا ہے ، اسلام کا عظیم پھیلاؤ افریقہ میں اسی کے ذریعے ہوا ہے جسے غزة الساحل العروس الغناء سے تعبیر کیا گیا ہے ، اور یہ تو مرکزی فلسطین کا بھی مرکز ہے ، شاید کہ حساسیت (کی وجہ) اس کا عالم اسلام کے لیے دلہن ہونا ہے ،یہی وہ بات ہے جس نے دشمنوں کو اس بات پر اکسایا کہ وہ بدنیتی اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس مرکزی مقام پر زہر آلود خنجر ماریں تاکہ اسلامی دنیا کے دونوں حصوں کو اس مکارانہ وار کے ذریعے بآسانی جدا کیا جا سکے ، جسے انہوں نے اسرائیل کا نام دیا ہے ، اس دروازے کے ذریعے اسی مقام سے ایک عظیم ریلوے لائن گزرتی تھی جو اس وقت کی اسلامی خلافت کی دارالحکومت استنبول کو اسلامی دنیا کے مغربی کنارے مراکش سے جوڑتی تھی ،یہ دو ریلوے لائنوں میں سے ایک تھی جو اسلامی خلافت میں رابطے کے نظام کی شہ رگ سمجھی جاتی تھیں، دوسری لائن استنبول سے مکہ مکرمہ تک جاتی ت ھی، جو اپنے طویل سفر کے ذریعے امت واحدہ کا تصور پیش کرتی تھی ، یہ ریلوے لائن غزہ کے دروازے اور مقام سے گزرتی تھی، اور شمال کی طرف استنبول کی جانب جاتی تھی اور کچھ دیر بعد مغرب کی طرف مڑ جاتی تھی، شمالی افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوئی مراکش پہنچتی تھی۔

کیا آپ نے کبھی غزہ کا دورہ کیا ہے؟ اگر آپ کو کبھی موقع ملا ہو کہ آپ رات کے وقت اس کے کنارے پر چہل قدمی کریں، تو آپ کی ناک لیموں کی خوشبو سونگھے گی ،یا یاسمین کی مہک آپ کو گھیر لے گی، یا بحیرہ روم سے آنے والی عظمتِ رفتہ کی یادوں سے بھرپور ، ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی نمکینی سے پاکیزہ خوشگوار ہوا کے جھونکے آپ کی طبیعت کو خوش کردیں گے ، یہی وہ غزہ ہے جس کے بارے لوگوں کا کہنا ہے کہ غزہ کی نسبت ہاشم بن عبد مناف سے ملتی ہے، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ہمارے

معزز و ہاشمی رسول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں جن کی نسبت ہاشم بن عبد مناف کی طرف ہے ، جو عربی نسب کا فخر ہیں ، کہا جاتا ہے کہ اس کا اصل نام "عزہ" تھا، جس کا مطلب ہے قوت اور طاقت، اور نام غزہ ہی زباں زد ہوگیا ، لیکن غساسنہ کے لیے جو یہاں آباد تھے ، 'ع' کا تلفظ مشکل تھا، (اس لیے انہوں نے عزہ کی عین کو غین سے ب‌دل دیا)، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غزہ کا ایک حصار تھا جو دیر سنید سے دیر بلح، اور وادی الشریعہ سے بحیرہ روم تک پھیلا ہوا تھا، اور یہ حصار تین ہزار پانچ سو سال قبل مسیح سے موجود تھا۔

یہ ہمارا قدیم غزہ ہے، در اصل یہ دو محلے تھے ، پہلا شجاعیہ میں واقع ہے، اور دوسرا محلہ الدرج ہے ،دونوں محلے مل کر تاریخی باحشمت غزہ بنتے ہیں ، اگر آپ خاص طور پر مشرقی شجاعیہ کی مشہور قمۃ المنطار سے نظر ڈالیں، تو آپ کو ایک ب‌لند و بالا مینار نظر آئے گا جو کانٹے دار تاروں، خون، آنسو اور راکھ اور کئی مساجد کے بلند و بالا میناروں کے درمیان ہے ، جو قدیم غزہ کے زندہ افراد کے لیے ایک عبرت ہے ، یہ مینار مسجد العمری کا ہے، جو محلہ الدرج کے قلب میں واقع ہے، یہ مسجد قدامت، اصلیت اور شاندار تاریخ کی شاہد ہے۔

شاطئ غزة

کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے، اور اس کے بارے میں اہم روایات گردش کرتی ہیں کہ یہ پہلے مجوسیوں کی عبادت گاہ تھی، پھر نصاریٰ کا چرچ بنی، اور بعد میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے مسجد میں تبدیل کر دیا، جہاں اللہ رب العالمین کا ذکر ہوتا ہے، خواہ روایات جو بھی ہوں اور ان کی صحت کچھ بھی ہو، ہم تاریخ کے لکھاری نہیں ہیں، بلکہ احساسات اور جذبات کو بیان کرتے ہیں ، یہ مسجد العمری کا مینار قدامت کا شاہد اور اصلیت کا نشان ہے، جو آپ کو آواز دیتا ہے کہ یہ غزہ ہے ، اگر آپ یہاں

اپنا دورہ شروع کرنا چاہتے ہیں، تو ضروری ہے کہ مسجد العمری سے آغاز کریں، کیونکہ یہ سب سے نمایاں مقام ہے ، اگر آپ کو قسمت یہاں لے آئے اور آپ نے غزہ اور اس کی مسجد العمری کی زیارت کی، تو آپ اپنے قدموں کو قابو میں نہیں رکھ سکیں گے، یہ آپ کو عمر المختار سٹریٹ کے ذریعے مشرق کی طرف لے جائیں گے ، آپ شہر کے میدان تک پہنچیں گے، جو ش جاعیہ اور الدرج کے درمیان واقع ہے ، یہاں سڑک آپ کو لے کر بہت زیادہ ڈھلوان میں ڈھلے گی اور آپ خود کو میدان کے پارک کے سامنے پائیں گے، جہاں زمین سبز مخمل سے ڈھکی ہوئی ہے، اور درمیان میں کھجور کے درخت ایستادہ ہیں، جو شان و شوکت کے شاہد اور وقار کی نشانی ہیں ، آپ وہاں بلند و بالا آسمان میں معلق پتوں کی لکیروں میں کھجور کے درخت کی چوٹی کے پاس یہ بات پڑھ س کتے ہیں کہ اس علاقے کے درخت ظلم کو مسترد کرتے ہیں اور ذلت کو قبول نہیں کرتے ،یہ اسباق اس نے اپنے خاندان سے سیکھے ہیں جنہیں وہ شام و سحر دیکھتا ہے اور سلام پیش کرتا ہے ، اس میدان سے آپ چار سمتوں میں حرکت کر سکتے ہیں : مشرق کی جانب شجاعیہ کے ذریعے بئر السبع اور صحرائے نقب کی طرف، جہاں حضرت یعقوب اور ان کے بیٹے رہتے تھے اور جہاں حضرت یوسف سے محبت و خلوص کے خلاف سازش ہوئی تھی، جو ان کے ہی اہل پر پلٹ آئی ، اور مغرب کی طرف ، جدید غزہ کے ذریعے اور الدرج کے محاذات میں آپ شارع وحدت یا شارع عمر المختار سے ہوتے ہوئے ساحلِ بحیرۂ روم تک پہنچیں گے جو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے عظمت رفتہ کے شوق و سوزش کی طرف دیکھ رہا ہے ، جو کبھی جدت کے ساتھ لوٹے گی ، (ان شاءاللہ) جنوب کی طرف، آپ کو فلسطین کے جنوبی شہروں میں آخری شہر خان یونس لے جائے گا، جو آپ کو 1956 اور 1967 کے نفرت انگیز قتل عام کے بارے میں یاد دلائے گا ، جو سخت و بے خوف مزاحمت کی ایک جھلک ہے ، اور

بئرالسبع

رفح جہاں مصری سرحد ہے، تاکہ آپ جلد ہی صحرائے سینا جا سکیں، جو ان لوگوں کے لیے سزا اور گمراہی کا ذریعہ بن گیا تھا جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ چالبازی کی اور ان کی تذلیل کی جس وقت ان کے رب نے حکم دیا کہ وہ اس مقدس سرزمین میں داخل ہوں جو ان کے لیے اللہ عزوجل نے لکھ دی تھی ، تو انہوں نے کہا : " اِذھب أنت وربک فقاتلا اِنا ہاھنا لقاعدون " ضروری ہے کہ آپ کو آپ کے قدم ساحلِ فلسطین کی گہرائی میں لے چلیں جہاں عسقلان الرباط ، اسدود التاریخ ، یافا الصمود ، حیفا الکرمل واقع ہیں پھر احمد الجزار کا عکا الشموخ ، اور اس کی بلند و بالا دیوار جو اب بھی سمندری شور و گرج کو چیلنج کرتی ہے ، جب آپ اس میدان سے شمال کی طرف شارع صلاح الدین سے ہوتے ہوئے جائیں اور تھوڑا رکیں، تو آپ تاریخ و عزیمت کو یاد کریں گے ، ہر دیوار جو آپ کے محاذی ہے آپ کو پکارے گی ،ہر پتھر، ریت کا ہر ذرہ آپ کو آواز دے گا کہ آپ ٹھہر جائیں آپ شارع صلاح الدین میں ہیں، جہاں ہر قدم پر شہید کا خون بہہ کر پانی کے تالاب میں جمع ہوگیا ہے اور ہر دیوار پر شہداء کے جسم کے بکھرے ٹکڑے یا دشمنوں کے لاشے چپکے ہیں ، ہر دیوار کے پیچھے سے ایک بم پھینکا گیا ہے ، ہر چھت سے گولیاں برسائی گئی ہیں ، قابض فوج کی گشت کو موت کا مزہ چکھایا گیا ہے ، شارع صلاح الدین پر، جو آپ کے بالکل قریب ہے، چند کلومیٹر پر چاقوؤں کی جنگ کی چنگاری بھڑک اٹھی اور اس عجیب قوم کی جدوجہد کی تاریخ میں ایک نیا باب کھل گیا ، اس سے پہلے کہ آپ ریلوے لائن کے جنکشن تک پہنچیں، جو ہر وقت آپ کے ساتھ ساتھ سکون کے ساتھ بغیر آپ کو احساس دلائے چلتی رہی ہے ، جہاں لیول کراسنگ ہے، آپ کو وہ جگہ ملے گی جسے مقامی لوگ "السنافور" کہتے ہیں ، یہ ایک مرکزی بجلی کا کھمبا ہے، جو بلند و بالا اور فخر سے کھڑا ہے ، اس کے قریب آپ کو شیخ بشیر کی قبر ملے گی، جہاں بزرگ خواتین ولی سے برکت

مسجد عثمان بن عفان

حاصل کرنے کے لیے سکے پھینکتی ہیں اور دیے جلاتی ہیں ، اس سے پہلے کہ آپ پہنچیں آپ کے کانوں میں اذان کی آواز آئے گی، جو نماز کا وقت ہونے کا اعلان کرتی ہے ، آپ کو تینوں طرف سے تیس سے زیادہ مساجد سے اذان کی آوازیں سنائی دیں گی ، ہر قدم پر ایک مسجد موجود ہے اور آپ کو راستے کے مشرق یا مغرب میں موجود ان مساجد میں سے کسی ایک میں داخل ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی ، شجاعیہ کی مساجد مشرق کی سمت سے آپ کو پکارتی ہیں : الدار قطنی ، سیدنا علی، السیدہ رقیہ، ابن عفان، القزمری، الهواشی، ابن مروان، الاصلاح، التوفیق، المنظار، اور الدرج کی مساجد مغرب کی سمت سے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں: السدرة، الایبکی، ابن سلطان، الصحابة، المغربي، علی ابن ابی طالب، القسام، المحطة، السيد هاشم، الهجانی وغیرہ ، لیکن آپ بغیر یادوں میں کھوئے یا مجبوری میں رکے کتنے قدم چل سکیں گے ؟ یہ رکاوٹ اس لیے نہیں کہ یہاں بہت زیادہ بھیڑ ہے، بلکہ اس لیے کہ دشمن کی ایک گشت آپ کو روک کر آپ کے شناختی کارڈ کی جانچ کرنے کے لیے کہتی ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ آپ کا نام مطلوبہ لوگوں کی اس فہرست میں نہیں ہے جو تفتیشی افسر کے ہاتھوں میں ہے اور یہ بھی کہ آپ کے کپڑوں کے نیچے کوئی چاقو، نقاب، آتش گیر بوتل یا پتھر نہیں چھپا ہوا ہے ، اگر آپ کا نام فہرست میں نہیں ہے اور آپ کے کپڑے مذکورہ چیزوں سے خالی ہیں تو شاید آپ بچ جائیں ، لیکن اگر آپ کے ہاتھ فلسطین کی مٹی سے غبار آلود ہیں، تو یہ ایک جرم ہے جس پر غزہ میں فوجی قانون کے تحت سزا دی جاتی ہے اور آپ کو احتیاطاً کم از کم 18 دن بغیر کسی تفتیش یا الزام کے قید کیا جا سکتا ہے ، لہذا اگر آپ غزہ کے مہمان ہیں تو محتاط رہیں کہ اس کی مٹی، پتھروں یا دیواروں کو نہ چھوئیں وغیرہ ..یہ سب کچھ قابض افواج کے تحت ممنوع ہے ، ورنہ پس چونکہ آپ نے عوامی سلامتی کے خلاف ورزی کی ہے اس لیے آپ پر وہ سزا واجب ہوگی جو جنگل کے قانون کے تحت قابض فوج کے یونیفارم اور ٹوپی میں ملبوس اہلکاروں کے ذریعے عائد کی جاتی ہے ۔

یہ ہے غزہ... غزہ، بحیرہ روم کا ساحل جو عسقلان شہر کا سب سے قریب ترین نقاط (closest points) ہے ، جسے دشمن نے 1948 میں قبضے میں لے کر "اشکلون" کا نام دیا ، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عسقلان کے بارے میں فرمایا : "تمہارا بہترین رباط (چوکی) عسقلان ہے" (امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیاہے) آج عسقلان شہر میں ایک بھی مسلمان نہیں، سوائے کچھ سو قیدیوں کے جو عسقلان کی مرکزی جیل میں ہیں ، یقیناً مغربی ساحل ہی عسقلان کا

ساحل ہے، اور فرق صرف بیس کلومیٹر کا ہے جسے گاڑی چند منٹوں میں طے کر سکتی ہے ، یہ عسقلان بہترین چوکی ہے اور اس کے پڑوس میں غزہ، جو دین کے قلعوں میں سے ایک بلند و بالا قلعہ، دین کا حامی اور عقیدے کا محافظ ہے ، اگر آپ یقین کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مساجد یا اسلامی علامات کی گنتی کریں، یا اس کی گلیوں میں دیکھیں تو آپ کو محسوس ہو گا کہ چہروں میں سلام و کلام میں، سلوک و معاملے میں ، داڑھی و حجاب میں شرم و حیا میں (کیسی اسلامی روح موجود ہے) اگر آپ حقیقت کے قریب جانا چاہتے ہیں تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ معاملہ کریں ، وہاں آپ کو ایثار و قربانی سے بھری روح اور اور صدامی نفس ملیں گے جو ذلت اور بے بسی کو رد کرتے ہیں ، خاص طور پر آج کے غزہ کی گلیاں کچھ اور ہیں، جس طرح کہ وہاں کے باشندوں کے نفوس بھی کچھ اور ہیں ، اگر آپ کسی دوسرے سیارے سے جو ہماری زمین کے علاوہ ہے غزہ کی زیارت کرنے آتے ہیں اور آپ نے پہلے سے غزہ کے جنگی واقعات یا افسانے میں سے کچھ نہ سنا ہو تو یقیناً آپ کو حیرت یا خوف یا تعجب کا احساس ہو گا ، ان دیواروں اور دروازوں کو کیا ہوا ہے جو ہر جگہ مختلف رنگوں کے پینٹ سے لیپے ہوئے ہیں؟ ان چہروں کو کیا ہوا کہ ان پر کمال کی چوکسی ہے اور آنکھیں باز یا عقاب کی آنکھوں کی مانند شکار تلاش کر رہی ہیں لیکن اسے نہیں پا رہی ہیں؟ یہ ہے غزہ ۔

1987 کے آغاز میں کہا گیا کہ یہ اسرائیل کے سر میں ایک سیاہ سوراخ ہے، کہا گیا کہ یہ وہ زخمی جگہ ہے کہ جب بھی مندمل ہونے لگتی ہے تو از سر نو خون بہنے لگتا ہے، کہا گیا کہ یہ بارود کا ڈھیر ہے، کہا گیا کہ یہ ایک ٹائم بم ہے اور اس کے کسی شیر دل نوجوان نے مسجد کی دیوار پر پینٹ کے ڈبے کے ذریعے لکھا : أيها اليهود تعالوا إلى الموت في غزة، اے یہودیو ،! غزہ میں موت کے لیے آؤ" اور اگلے دن دشمن کے بڑے صحافی تجزیہ کار اپنے تجزیوں کے عنوانات میں اس نعرے کو لکھ رہے تھے ، تو ایسا کیا ہوا کہ یہ سب کچھ ہوگیا ؟ اچانک دشمن کے قائدین اور ذمہ داروں کی چیخ و پکار بلند ہوئی ، انہوں نے انکشاف کیا کہ ان کی انٹیلی جنس رپورٹس سطحی ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ غیر صحیح بھی ہیں ، رپورٹس میں یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ غزہ ختم ہو چکا ہے، مٹ چکا ہے اور (اب اپنی سابقہ حالت پر) نہیں لوٹے گا ، وہاں افیون اور حشیش موجود ہے، کوکین اور ہیروئن نے اسے تباہ کر دیا ہے اور اخلاقی بدعنوانی نے اس کی ہڈیوں (بنیادوں) کو پارہ پارہ کر دیا ہے ، وہاں جاسوسوں کے نیٹ ورک بس چکے ہیں ، جس کا انہوں نے تصور کیا تھا

اسی کے مطابق اپنی رپورٹس کو لکھا ، جس سے سب نے سکون کا سانس لیا ، اسی غزہ نے طویل عرصے تک ان کے سروں سے نیند کو اڑائے رکھا ، اور انہوں نے نیند کے داخلے کو اپنے پر حرام کر رکھا ، جب انہوں نے سکون کی سانس لی اس سے قبل کہ وہ اسے مکمل کر پاتے ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا تھے ، غزہ ہر طرف سے آگ سے بھڑک اٹھا ، تمام میناروں نے ایک آواز میں، بغیر کسی جھجک اور ہچکچاہٹ کے اعلان کیا : بسم اللہ اللہ اکبر بسم اللہ ، خیبر کا وقت آ گیا ہے " اور لوگوں نے دل کی گہرائیوں سے اس پکار کو دہرایا، کیونکہ وہ طویل عرصے سے میناروں سے اس اعلان کا انتظار کر رہے تھے اور ایک بار پھر مسجدوں کے میناروں نے نعرہ بلند کیا " خیبر خیبر یا یھود، جیش محمد سوف یعود " لوگوں کی روحوں نے طوعاً و کرہاً اس نعرے کو دہرایا کیونکہ ارواح و نفوس جیش محمد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے ، غزہ آگ سے بھڑک اٹھا ، اور آگ ہر گلی، ہر محلے، ہر گھر میں ایک جوش و جذبہ بن کر پھیل گئی ، آگ مزید بھڑک اٹھی، جوش نے جوش کو جنم دیا، خون بہنے لگا اور خون نے خون کو پکارا ، خون ندیاں بن کر بہنے لگا اور ایک معجزانہ افسانہ جنگ کا آغاز ہوا ، بچے محلے کی مسجد کے نعرے پر جاگ گئے، " الدم الدم " ہر ایک نے اپنی ماں سے پوچھا : کیا ہوا؟ تمام ماؤں نے جواب دیا، "جیش محمد سوف یعود " بچوں نے پوچھا : اس کا کیا مطلب ہے؟ ماؤں نے بلند آواز میں چیخ کر کہا "پتھر یا چاقو اٹھاؤ، دیر نہ کرو " بچہ چیخا دیکھا اور غرّایا ، " خيبر خيبر خيبر خيبر جيش محمد لن يتأخر ، ها قد أبشرها قد ابشر ، و بمئذنتي أشمخ أكثر أصدع أكثر ، خيبر خيبر خيبر خيبر جيش محمد لن يتأخر ، سجن يفتح لن تتأخر بيت يهدم شبل يزأر عظم يكسر شعب يثأر ، جرح يدمى مرحى مرحى ، لن تتأخر لن تتقهقر لن نتراجع لن نتأخر ، و الشيخ المعجزة ينادي والشعب المعطاء تفجر ، خيبر خيبر لن تتأخر ، و الطفل تنامى في عز و الحجر تعالى و يتلوه الخنجر ، خيبر خيبر خيبر جيش محمد لن يتأخر ، و الطفل تنامى في عن هذا أشرف ذا يتبختر ، خنجر خنجر خيبر خيبر جيش محمد لن يتأخر لن نتأخر لن نتأخر ، یہی غزہ ہے، جوش و خروش کی ایک چنگاری، ایک بلند و بالا عظیم آتش فشاں کا دہانہ۔

پہلی فصل : پیدائش اور ابتدائی حالات

(یہاں ایک سطر کا ترجمہ عربی عبارت میں سقم کے باعث ترک کر دیا ہے) یہیں خاص طور پر

آپ کے ٹھہرنے کے کچھ ہی فاصلے پر سنافور کراسنگ کے مقام اور ریلوے لائن کے سنگم کے پاس اور پہلو کی ذیلی سڑک میں تباہ شدہ گھر کے کھنڈرات پر بآسانی مطلع ہوں گے ، یہی وہ گھر ہے جہاں ہمارے ہیرو نے اپنی زندگی کے سال والدین کے درمیان گزارے، جو اسے محبت سے گھیرے رکھتے تھے، اور اس کے بہن بھائی، ان میں سے ایک بڑا بھائی ادہم جو 21 سال کا تھا، دوسرا چھوٹا بھائی محمد جو 17 سال کا تھا، اور دو بڑی بہنیں تھیں جو بعد میں شادی شدہ ہو گئیں ، اسی گھر میں ہمارے جانباز نے پرورش پائی ، اس نے اس کی محبت کا دودھ پیا اور اس کی وابستگی کو سمجھا ، وہ اپنی اس زمین سے محبت کرتا تھا جہاں اس نے بچپن گزارا تھا ، کیونکہ وہ ہمیشہ اسے بڑی محبت سے تھام لیتی تھی ، وہ اپنے اولیں قدم اٹھاتے ہوئے گھر کے دروازے کے قریب محلے کے بچوں اور بچپن کے ساتھیوں کے درمیان برابر چل رہاتھا، ھا اس نے اپنے المیہ کے گہرائی کی سمجھ حاصل کی ، غزہ معزز ہونے کے سبب ہر فلسطینی کے لیے عزیز ہے کیونکہ یہ ان کی جائے پیدائش ہے ، لیکن اس نے اپنی دادی کی کہانیوں سے یہ بات بہتر طور پر جھی ، وہ طویل عرصے تک بیر السبع کے خوشحال ایام کی کہانیاں سنتا رہا ، اشرف جب بچہ تھا اکثر اپنی دادی سے پوچھتا تھا کہ "السبع" کیا ہے؟ اور جب وہ بڑا ہوا اور سمجھنے کے قابل ہوا، تو اسے یہ سمجھ آیا کہ "السبع" دراصل شہر بئر السبع ہے جسے آج یہودی "بیر شیفع" کہتے ہیں ، دادی اور دادا نے اپنے بچے حسن اور دو بہنوں کے ساتھ خوشحال ایام گزارے تھے ، بیر سبع میں ماضی کے عیش و آرام کی بے شمار کہانیاں تھیں، جب تک کہ حالات نہ بدل گئے اور دادا کو اپنے بچوں کو لے کر قتل و غارت گری سے بچنے کے لیے اپنا سب کچھ پیچھے چھوڑ چھاڑ کر اڑان نہ بھرنی پڑی ، انہیں ہر چیز ، زمین، مکان، ساز و سامان وغیرہ چھوڑنا پڑا، حتی کہ دادا کی ایک ٹانگ بھی چھوڑنی پڑی جسے جانی دشمنوں کے گرائے گئے بموں یا توپوں سے پھینکے گئے گولوں کے ایک ٹکڑے نے کاٹ دی تھی، ان کا مقصد نہتے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال کر کہیں بھی بھیجنا تھا، چاہے وہ جہنم میں ہی کیوں نہ ہو ۔

اس نے المیہ کی گہرائی کو سمجھنا سیکھ لیا ، جب وہ دادی سے بات کرتا تھا تو حیران ہوتا تھا کہ وہ جواب کیوں نہیں دیتی ہے ؟ بلکہ کسی اور موضوع پر بات کرتی رہتی ہے؟ وہ گھر کے متعلق اس کے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتی ہے ؟ وہ حیران ہوتا تھا کہ اس کے والدین دادی سے بات کرتے وقت اپنی آوازیں کیوں بلند کرتے ہیں؟ اور پھر وہ شور سے بیزار ہو جاتا تھا، بعد میں اسے

اس جملے کا مطلب سمجھ میں آیا جو اس سے کئی بار کہا گیا تھا جس وقت اس نے چیخنے کا سبب پوچھا تھا ، کہ اس کی دادی سماعت سے محروم ہے !! اور وہ اس بچے سے پوچھتا ہے جو بہرے ہونے کا مطلب سمجھنے لگا ہے ، وہ پوچھتا ہے کہ سبب کیا ہے ؟ میری دادی ماں کیوں نہیں سنتی؟ وہ سمجھ لیتا ہے اور بخوبی جان لیتا ہے کہ یہ کوئی پیش آمدہ معاملہ ہے ، دادی ماں کی (پہلے) نزاکتِ سماعت سے خوب لطف اندوز ہوتی تھی، لیکن وہ اس دن چلی گئی جب دشمن کے طیاروں نے اپنے توپوں کے دہانے کھول دیے ، ہمیں نہیں معلوم کہ کب واقعہ پیش آیا ، لیکن جب ایک گولہ ہمارے گھر پر گرا اور زیادہ تر حصے کو ایک گونج دار مہیب آواز پیدا کرتے ہوئے تباہ کردیا ، جس نے دادی ماں کو سماعت سے محروم کر دیا اور ان کی سماعت چھین لی ، گھر والے شدید خوف میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے از سر نو گھر کو لاحق شدہ تباہی و خرابی کی مرمت و درستگی کی کوشش شروع کر دی ، انہیں ہر طرح سے پیسے کی ضرورت تھی اور اس وقت پیسے کی اپنی ایک قدر تھی ، دادی ماں اکثر کہتی تھیں کہ "لیرہ" ایک وقت میں شہروں اور بندوں (بہت کچھ) کے برابر تھی، صورتحال بہت مشکل تھی اور اللہ ان لوگوں کی مدد کرے جو یہاں اس محلے میں رہتے تھے جسے "حارۃ التفاح" کہا جاتا ہے ، یہاں ہمارا ہیرو بڑا ہوا اور اس نے نشو نما پائی اس نے وابستگی کا احساس اپنایا ، وہ روزانہ پانچ بار اذان کی آواز سنتا، جو محلے کے ہر کونے اور گھر کے آس پاس کی درجنوں مساجد سے گونجتی ، وہ لوگوں کو مسجد کی طرف یہاں وہاں دوڑتے ہوئے اور نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتا ، اور وہ اپنے بچپن کے ساتھیوں کے ساتھ مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر انہیں دیکھتا کہ وہ صفیں باندھ کر رکوع و سجود کرتے ہیں ، پھر کھڑے ہوجاتے ہیں تاکہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹیں ۔

ہمارا ہیرو اپنی والدہ کی ان کہانیوں کو یاد کرتا جو اس کے ماموں کے بارے میں تھیں جنہیں 1967 میں غزہ پٹی کے قبضے کے بعد قابض حکام نے مصر جلا وطن کر دیا تھا ، کیونکہ وہ اخوان المسلمین سے تعلق رکھتے تھے ، اس نے اکثر اپنے ماموں شیخ ظاہر شبانہ یا بدر شبانہ کے متعلق کہانیاں سنی تھیں جو اخوان المسلمین سے تعلق رکھتے تھے ، لیکن وہ ان دو الفاظ کا مطلب نہیں سمجھتا تھا ، اس کی والدہ ہمیشہ اسے اور اس کے بھائیوں کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتی تھیں " تاکہ وہ سچے حقیقی مرد بن سکیں جیسے ان کے ماموں شیخ ظاہر شبانہ یا بدر شبانہ جو اخوان المسلمین سے تعلق رکھتے تھے ، اس محلے میں " اشرف " بڑا ہوا اور اس گلی میں نشو نما پائی ، جہاں ہر کھیل

بلند و بالا فوارے کے سائے میں (لڑکے) ایک چھوٹے سے میدان میں کھیلتے تھے جو عام سڑک کے مشرق کی جانب، شیخ بشیر کے مزار کے قریب واقع تھا ، جہاں ہر روز عصر کے وقت بچے آتے، ان کے ساتھ وہ گیند ہوتی تھی جسے وہ صبح اسکول جاتے وقت اپنی جیب خرچ سے پیسے جمع کرنے کے بعد سب مل کر خریدتے تھے ، دو ٹیمیں کھیلتی تھیں ، کیا یہ ان کا حق نہیں کہ وہ کھیلیں، اگرچہ کوئی لڑکا گیند کے پیچھے بھاگتے ہوئے عام سڑک پر نکل جائے ، اور وہ گاڑیوں کی ٹکر کی پرواہ نہ کرتا تھا ، کیونکہ سب سے اہم بات یہ ہوتی تھی کہ گیند ضائع نہ ہو، کیونکہ دوسری گیند خریدنا آسان نہیں تھا اور اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اسکول کی کسی چیز کو خریدنے سے ایک یا دو دن کی محرومی ، میں اپنی ابتدائی اسکول کے سالوں کے دوران ہفتے میں چھ دن، دن میں دو مرتبہ فواروں کے پاس سے گزرتا تھا ، تاکہ میں اپنی ہاشمیہ اسکول پہنچ سکوں ، جو چند سو میٹر دور تھی ، مزید تین سالوں میں پڑھائی کے دوران پناہ گزینوں کے الشجاعیہ مڈل اسکول میں سینکڑوں بچے صبح کے وقت جاتے تھے، ان کی گردنیں فواروں کی طرف اٹھتی تھیں، اور دوپہر کو واپس آتے تھے، ہم بھی فواروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے تھے ، دس سال سے زیادہ ہو گئے، اور اشرف ہر روز آتا جاتا تھا، اس کے ہاتھ میں اپنی کتابوں کا بستہ ہوتا تھا، اور لڑکے اس کے ساتھ اور اس کے ارد گرد کھیلتے اور شور مچاتے تھے ، فوارہ اپنی جگہ پر تھا ، ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹا تھا ، اور اب بھی برابر سر اٹھائے کھڑا تھا ، سالوں گزرنے اور آہوں بھری صداؤں اور مسلح بکتر بند قابض فوج سے بھری گاڑیوں کے شور و غل کے باوجود جو دن رات اس کے اردگرد منڈلاتی رہتی تھیں نہیں جھکا (وہ اسی مضبوطی سے کھڑا رہا)۔

اشرف کی خوشی مخفی تھی ، اچانک ایک دن ایک مسکراہٹ اشرف کے چہرے پر نمودار ہوئی جو اس کی والدہ نے چالیس سال سے نہیں دیکھی تھی ، یہ اشرف ہے جو ایک جواں مرد بن گیا تھا ، شام کے وقت اسے خوشی اڑا لے آئی اور وہ اپنی والدہ کے سامنے کھڑا ہوگیا، جو گھر کے کام میں مصروف تھیں ،اس نے اپنا ہاتھ لمبا کرکے اپنی جیب سے کچھ نکالا، اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اپنی والدہ کو اپنی تنخواہ دی ، یہ کچھ ہزار لیرا تھے جو اس نے چند لمحے پہلے اس پرنٹنگ پریس کے مالک سے وصول کیے تھے جہاں وہ ایک مہینے سے اسکول سے واپسی کے بعد کام کر رہا تھا ، والدہ نے حیران ہو کر دیکھا : کون ؟ کیا ؟ اور خیالات دور تک چلے گئے ، یہ وہی اشرف ہے، جو ایک جواں مرد بن چکا ہے ، دس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے ، اس نے اس پرنٹنگ پریس میں کام کیا

جہاں والد اسے اپنے دوست کے پاس لے گیے تھے جو اس کا مالک تھا، تاکہ اسے سکھائے کہ کیسے ایک مضبوط مرد بنتا ہے، جو مشکلات کو شکست دے ، نہ کہ خود شکست کھائے ، کیوں کہ یہ معاملہ سنجیدہ ہے، وہی اشرف اس کے سامنے کھڑا ہے، اور اس کا ہاتھ نقدی کے نوٹوں کے ساتھ بڑھا ہوا ہے ،جو چند ہزار لیرے ہیں ، جن کے حصول میں بڑی قیمت نہیں ہے، لیکن ان کا مطلب ماں کے لیے بہت بڑا اور بہت اہم ہے، جو اپنے بچے کو ایک ایسے جواں مرد کے طور پر دیکھتی ہے، جو کام کرتا ہے اور کماتا ہے ،وہ اپنے والدہ کو اپنا ماہانہ وظیفہ دینے آتا ہے ، وہاں مطبع کے قریب، میدان کے پارک کی کھجور کے درخت بھی اپنی جگہ قائم و برقرار ہیں، ان کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہیں اور ان کے پتوں پر الفاظ نقش ہیں: نہ کوئی امن، نہ چہرے سے مٹی جھڑنے کا موقع، نہ کوئی صلح، نہ کوئی امن، نہ کوئی تسلیم اندھیرا ختم ہوچکا " ان کھجور کے درختوں کے نیچے بیٹھنا یا باغ میں موجود نرم و سبز گھاس پر کھیلنا خاص طور پر رمضان کی راتوں میں بہت ہی اچھا لگتا ہے ، اور کیا ہی خوبصورت منظر ہوتا ہے جب لڑکے کھیل کود کے دوران کھجور کے بے خم تنوں کے پیچھے چھپتے ہیں، جس طرح کہ انہیں رات کو شارع الوحدہ یا شارع عمر المختار پر چلنا پسند ہوتا ہے، وہ فٹ پاتھ پر اور سڑک کے بیچ میں یہاں وہاں کودتے پھاندتے ہیں، فٹ پاتھ کی پائپوں پر سے کودتے ہیں اور بند دکانوں کے سامنے لگی ہوئی سامان کی نمائش کی پائپوں سے لٹکتے ہیں ، اور کیا ہی خوبصورت منظر ہوتا ہے جب لڑکے ایک دوسرے کا پیچھا کرتے ہیں، دھکا مکی کرتے ہیں، ہنستے کھیلتے ہیں، اور لڑتے ہیں، بالآخر ابو فتحی کی آئس کریم انہیں خوشی اور مسرت کے ساتھ جمع کرتی ہے ،راستے کی واپسی (گھر واپسی) ہنسی مذاق اور چھوٹی موٹی نوک جھونک کے ساتھ شروع ہوتی ہے ، بالآخر گھر واپسی والدہ کے اپنے خوابوں کے شہزادے اشرف کے لیے تیار کردہ گرم بستر میں ادہم اور محمد کے جلو میں اختتام پذیر ہوتی ہے ۔

ایک دن گلی میں بہت شور ہوا اور لوگ تیزی سے وہاں سے بھاگنے لگے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ "انہوں نے ایک یہودی کو ذبح کر دیا، اس کا خون زمین پر بہہ گیا ، " یہ واقعہ گھر سے صرف دس یا بیس میٹر کے فاصلے پر ہوا جب ایک فدائی نے بڑی مہارت سے اس یہودی کو ذبح کر دیا جو سبزی کے اسٹال پر جھکا ہوا تھا، وہ اپنے خون میں لت پت ہو گیا اور یہ خبر علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ، چند ہی لمحوں میں ہی گلی کی صورت حال بالکل بدل گئی ، سینکڑوں فوجی ہتھیاروں سے لیس، انٹیلی جنس افسران کی گاڑیاں، فوجی گاڑیاں اور فوجی حکام وہاں

پہنچ گئے ، لوگ سوال کرنے لگے، "کیا وہ مر گیا؟" کوئی بھی جواب نہیں جانتا تھا ، چند دنوں بعد زندگی اپنی معمول کی طرف لوٹ آئی، لیکن علاقے میں یہودیوں کی آمد و رفت میں نمایاں کمی آ گئی۔

اشرف نے اپنی مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کی اور یافا ہائی اسکول میں داخلہ لیا ، جو گھر کے چند سو میٹر مغرب میں ہی واقع تھا ، اس طرح اس کی روزانہ کی راہ تبدیل ہوگئی، لیکن وہ روزانہ صبح اور دوپہر میں "سنافور" سے ملتا رہا، جو کہ ایک عادت بن چکی تھی جسے وہ نو سالوں سے جاری رکھے ہوئے تھا اور سنافور وہی سنافور تھا ، جبکہ وہ علاقے میں کام کرنا چھوڑ چکا تھا کیونکہ وہ بڑا ہوگیا تھا اور چھاپہ خانہ کو اس کے ہم عمر مزدوروں کی ضرورت نہیں تھی ، لیکن باغ کی کھجور کے درخت وہی باغ کی کھجور کے درخت رہے۔

دوسری فصل : چنگاری ، گروہ بندی ، صاف گوئی

بچے محلے کی مسجد کی ندا (الدم الدم) پر جاگ گئے ، ہر ایک نے اپنی ماں سے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ اور سب ماؤں نے جواب دیا " جیش محمد سوف یعود " بچوں نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ مائیں چلائیں اور ان کی آواز کی شدت (یہ کہتے ہوئے) بڑھ گئی " پتھر یا چھری اٹھاؤ، دیر نہ کرو" یہ واقعہ 1987 کے آخر میں 9 دسمبر کو پیش آیا تھا ، اس وقت غزہ میں آگ بھڑک اٹھی ، یا تاریخ نے فلسطینی قوم کی زندگی کے ایک نئے مرحلے یعنی مبارک انتفاضہ کا مرحلے کو درج کرنا شروع کر دیا تھا ، اور دلوں میں تلاطم خیز پتھر کی آگ نے پورے غزہ کی تمام گلیوں، سڑکوں اور محلوں کو لپیٹ میں لے لیا، اور تھوڑی دیر بعد یہ آگ فلسطین کے تمام شہروں ، دیہاتوں ، بستیوں، محلوں اور سڑکوں تک پھیل گئی ، جوش و خروش کی آگ جو دلوں میں بھڑک رہی تھی پھیل پڑی ، چنانچہ یہ واقعہ اس دور کے علاقے کے خطرناک ترین واقعات کا جنم دینے والا بنا ، یہ آتشیں لہریں مسجدوں کے بلند و بالا میناروں سے لاؤڈ اسپیکرز کے ذریعے پھیل گئی ، تاکہ وہ اس قوم کی اذان کو گونج دار بنائے ، جن کا صبر طویل ہو چکا تھا اور جس کا انتظار دلوں کو طویل ہوچکا تھا ، انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ یہی وہ راستہ ہے ، تو ہمارے عظیم عوام کا یہ جم غفیر چل پڑا جس نے عجیب و غریب کارنامے انجام دیے اور تاریخ کو عزت، آتش، خون اور آنسو کے حروف سے لکھ دیا ، یہ جوش ایک چنگاری بن کر شروع ہوا اور پھر ہر جگہ آگ بن کر پھیل گیا، تاکہ پاکیزہ روئے زمین کو ڈھانپ دے ، جوش و جذبہ سینوں میں پروان چڑھا ، تاکہ اس کی حرکات و

فعالیات سے سب سے سریلا شیریں نغمہ پیدا ہو ، جس کی موسیقی ؛ گولیوں کی سنسناہٹ، گیس بموں کے دھماکے ، قابض فوج کی گاڑیوں کا شور شرابہ ، اور زمین میں ٹھونکے گئے کیلوں کی وجہ سے ٹائر پھٹنے کی آواز سے پہچانی جاتی ہے ، اور مبارک پتھروں کی بارش کی وجہ سے شیشے ٹوٹنے کی آواز ہر طرف سے آ رہی ہوتی ہے ، اس کی مٹھاس اس وقت بڑھ جاتی ہے جب نعرہ زن اللہ اکبر اور تکبیر کے ساتھ ابدی علوی نعرہ " خیبر خیبر یا یھود جیش محمد سوف یعود " بلند کرتے ہیں۔

اور اہل محلہ کئی بار اپنے مردوں، عورتوں، بزرگوں، چھوٹوں اور جوانوں کی آواز پر متوجہ ہوئے ، اشرف بھی مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکرز کی ندا " حي علی الجهاد " کی آواز پر متوجہ ہوگیا جو ہر طرف سے ندا دے رہی تھیں ، خاص طور پر ایسی مسجد سے جو گھر کے مغرب میں صرف چند ہی میٹر کے فاصلے پر تھی اور آناً فاناً پورا علاقہ آگ سے بھڑک اٹھا ، لوگ ہلچل میں آ گئے ، اور دگرگوں ہوگئے اور ان کی بڑی تعداد گلیوں کے ذریعے سڑکوں اور راستوں کی طرف دوڑ پڑی ، یکایک ہر جگہ ہزاروں چہرے نمایاں ہوگئے تاکہ قابض فوجیوں کے سر پر فیصلہ کن پتھر برسا سکیں ۔

روشن ایام کی کسی صبح ، سات بجنے سے کچھ دیر قبل چین و سکون علاقے پر چھایا ہوا تھا ، کیا دیکھتے ہیں کہ جب گھڑی کی سوئیاں سات کے قریب ہوئیں ، تب اچانک ایک ہلچل سی شروع ہوگئی اور آوازیں بتدریج بلند ہونے لگیں، اس وقت طلباء اپنے اسکولوں کی جانب انفرادی اور اجتماعی طور پر جانے لگے ، میں نے اپنا بستہ اٹھایا اور ایک نئے دن (کا استقبال) کرتے ہوئے مسکراتا ہوا یافا سیکنڈری اسکول کی طرف روانہ ہوا، اور میرے اردگرد چہروں پر نئے دن کی روشن مسکراہٹیں تھیں ، صبح مناجات و دعا (prayer) اور گھنٹی بجنے سے قبل میں نے محسوس کیا کہ اسکول کے میدان میں کچھ غیر معمولی حرکت ہورہی ہے ، طلباء آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے: کیا ہوا ؟ ایک دوست کی سرگوشی میرے کان تک پہنچی کہ ہمیں یافا اسکول کے واقعات میں اپنا کردار اور مناسب موقف اختیار کرنا ، ایک زبردست مظاہرہ کرنا اور علاقے میں شدید مقابلے کا آغاز کرنا ضروری ہے ، مسکراہٹیں اچانک عزم و حوصلے میں ، تیاری اور جوش کی نظروں میں بدل گئیں اور طلباء کے دائمی نعرے بلند ہونے لگے: "بسم الله الله اكبر بسم الله قد حانت خيبر" ، طلباء کی گرجتی ہوئی آوازوں نے میدان کو لرزا دیا، اور دل دھڑکنے لگے اور نعروں نے ان کے لبوں سے

چھیڑ چھاڑ کی ، نبض کی شدت و حدت بڑھ گئی ، اور رگوں میں خون گرم و وافر مقدار میں جوش مارنے لگا، اور میں جذبات میں آگیا اور میری آنکھیں گرم گرم آنسوؤں سے بہہ پڑی ، عجیب احساسات مجھے گھیرے ہوئے تھے جب میں اپنے دل کی گہرائیوں سے گرجتے ہوئے مجمع کے درمیان نعرے لگا رہا تھا ، " بئر السبع " " عزت و شرافت کے ایام " " دادا کا پیر " "گھر کے انہدام کے سبب دادی کی ساعت " کی یادیں مجھے دور تک لے گئیں اور مجھے پرجوش ہجوم اور دھڑکتے سینوں میں واپس لے آئیں، 16 سال کے نوجوانوں کے سینے ؛ جوش و جذبہ ، عزت و عظمت کی محبت سے جوش مار رہے تھے ، ہجوم آہستہ آہستہ اسکول کے مرکزی دروازے کے سامنے شارع سدرہ کی طرف آگے بڑھا ، اچانک، دشمن کی فوجی گاڑیاں نظر آئیں ، اور وہی دور ٹھہر گئیں ، فوجی اترے اور اپنی گاڑیوں کے پیچھے دیواروں اور کونوں میں مورچہ زن ہوگئے ، انہوں نے دیوانہ وار فائرنگ اور گیس بم پھینکنے شروع کر دیے، اور ہمیں لازم تھا کہ ہم منتشر ہو کر اپنی اپنی جگہیں لے لیں تاکہ گولیوں سے بچ سکیں اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ پر شیریں ترانے کا ایک نیا فقرہ شروع ہوگیا " گیس بموں کا پھٹنا " " یہاں وہاں سے نوجوانوں کی چیخ و پکار " " خبردار " " انہیں مشرقی جانب سے گھیر لو " " اور تکبیر و تہلیل " وغیرہ ، یہ ایک شاندار مقابلہ تھا جس میں ہماری ناک میں آنسو گیس کی بدبو پھیلی ہوئی تھی، ہم اُنہیں پیچھے ہٹانے میں اتنے کامیاب نہ ہوئے جتنا ہم چاہتے تھے کہ " وہ ہمارے پتھروں کے سامنے بہت پیچھے ہٹ جائیں " ہمارے پتھر ان تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ، وہ اتنے بزدل تھے کہ قریب آنے کی جرات نہیں کرتے تھے کہ کہیں وہ ہمارے ہاتھوں کی پہنچ میں نہ آجائیں ، وہ صرف دور سے اپنی بندوقیں سادھے ہوئے تھے تاکہ ہر اُس شخص کو نشانہ بنا سکیں جو اپنی کمین گاہ سے باہر آئے ، لیکن ہم نے کچھ کامیابیاں حاصل کیں ، ہم نے علاقے میں جوش و جذبہ پیدا کیا اور کئی گھنٹوں تک سڑک کو بند کر دیا، جس کی وجہ سے ہم نے اُن کی گاڑیوں کی آمد و رفت روک دی جو 1948 سے ہماری مقبوضہ زمین سے گزر کر غزہ کی سرکاری دفتروں کی طرف جاتی تھیں، اور سب سے خوبصورت بات یہ ہے کہ ہم نے ثابت کر دیا کہ ہم تصادم اور چیلنج کا سامنا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ، ہم خوش ہوئے اور ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے ، آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گیس کے اثر سے ہم نے بہت چھینکیں لیں ، آخر میں ہم اگلے دن کی بھرپور محاذ آرائی کا عزم کرتے ہوئے، گھروں کو لوٹ آئے ، کئی بار ہم نے ان کی گاڑیوں پر حملہ کیا، ان کے فوجیوں کا پیچھا کیا اور انہوں نے ہمارا پیچھا کیا ، ہم نے سڑک بند کی، یہاں تک کہ شارع الوحدۃ

تک پہنچ گئے، اور ان کی گولیوں کے سامنے پیچھے ہٹ کر یافا سکول تک آ گئے ، ایک بار انہوں نے فوجیوں کی ایک بڑی تعداد میں ہمارے اسکول پر حملہ کیا، قریب تھا کہ وہ فوجی ہماری تعداد سے تجاوز کر جاتے ۔

یہی زندگی ہے ، ایک دن آپ کے حق میں تو ایک دن آپ کے خلاف، اور جنگ ہمیشہ جاری رہتی ہے ، لیکن ہر بار ہمارے دل مزید جوش و عزم سے بھڑک اٹھتے ، جیسے کہ ہماری پوری قوم ہماری مقدس سرزمین پر ، میں نہیں جانتا کہ کیوں آنسو گرم ہو کر بہنے لگتے تھے جب جلوس شروع ہوتا اور نعرے بلند ہوتے ! شدید جذبات مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے اور میرے دل کو جھنجھوڑ دیتے تھے ، میں کوشش کرتا کہ آنسو روکے رکھوں، انہیں چھپاؤں، اپنے اردگرد کے ساتھیوں سے شرماتے ہوئے پونچھ لوں اور میں دیکھتا کہ فتح کے نشان یا توحید کی بشارت کے ساتھ لہراتے ہاتھوں کے درمیان تمام چہروں پر آنسو بہہ رہے ہیں ، وہ تمام آنکھیں سرخ ہیں جن سے آنسو بہہ رہے ہیں ، خدایا ! یہ رونا کیوں ہے ؟ کیا یہ آنکھیں ضبط نہیں کر سکتی کہ وہ نم ہونے سے رک جائیں ؟ میں نے کوشش کی لیکن ہر بار یہ مجھے ہرا دیتے، اور میرے ساتھ محمد، حسن، خالد یا عبد الجبار کو بھی ہرا دیتے ، ان آنسوؤں کی تشریح کیا ہے؟ یہ ہمیں کیوں ہرا دیتے ہیں؟ کیا ہم اس حد تک کمزور ہیں؟ یہ آنسو مجھے حیران رکھتے اور سوالات میرے دماغ کے دروازے کھٹکھٹاتے ، لیکن مجھے جواب نہیں ملتا ، جتنا زیادہ آواز بلند ہوتی اتنا ہی زیادہ لوگ تہلیل و تکبیر اور نعرے لگاتے، آنسو مزید بہنے لگتے ، کیوں؟ میں اس بات سے ڈرتا کہ یہ خوف کو پیدا کرے گا ، لیکن ہر بار یہ واضح ہوگیا کہ یہ وجہ نہیں تھی ، جیسے ہی پہلی گولی کی آواز سنتا یا کسی فوجی کی ہیلمٹ دیکھتا یا اس کی پلاسٹک کی شیلڈ دیکھتا، جسے وہ ہماری پتھروں کے تانتے سے بچنے کے لیے استعمال کرتے، تو فوراً آنسو رک جاتے، اور میرے رخسار پر جم جاتے اور جو فی الحال آنکھ میں ہوتے وہ پتھر بن جاتے ، زمین انہیں اپنی طرف شدت و سختی سے کھینچتی، اور آنکھ انہیں واپس لینے پر اصرار کرتی ، جذبات مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتے... میں تقریباً جان گیا تھا کہ ان آنسوؤں کی وجہ کیا ہے، میرے اور میرے ارد گرد تمام آنکھوں میں آنسو جم جاتے اور عجیب عزم و اصرار میں بدل جاتے ، میں ہر بار پیچھے نہ ہٹنے ، مشکلات کو شکست دینے کے عجیب عزم و ارادہ کرتے ہوئے خود پر رشک کرتا تھا۔

ہائے ! وہ سالوں پہلے مطبع میں کام کرنے کی زندگی ، میں اس کے اثرات کو اپنے احوال میں ،

اپنی بہتے ہوئے آنسوؤں میں، حتیٰ کہ منجمد یا پتھریلی آنکھوں میں بھی بخوبی محسوس کرتا ہوں ، میں تقریباً اس کی وجہ سمجھنے لگا ہوں، زمین پر شدید پیاس ہے باوجودیکہ سردی نے ابھی کوچ نہیں کیا ہے اور موسم موسلا دھار بارشوں والا ہے اور زمین سر سبز و شاداب ہے، اور میرا وجدان، میری پوری ہستی، بلکہ میرے ارد گرد کے تمام جاندار ، مخلوقات، اور یہاں تک کہ کل جمادات، سب باہم لچک کھا رہے ہیں اور مل رہے ہیں ، ایک خوبصورت و شاندار ، عظیم و عجیب، شاعرانہ اور دلبرانہ معنیٰ ہیں جس میں جدائی درد کے ساتھ، محبت نفرت کے ساتھ، احتیاط بے خودی کے ساتھ، اور زمین انسان کے ساتھ ملتے جلتے ہیں ، اس زمین سے میرا پیار ہر گزرتے لمحے سے بڑھ گیا ہے، میں محسوس کرنے لگا ہوں کہ کسی عشق نے میری روح کو ہر اس چیز سے بھر دیا ہے جو میرے راستے میں آتی ہیں ، زمین کے لیے، درختوں کے لیے، پتھروں کے لیے، دیواروں کے لیے، مسجد اور اسکول کے لیے ، ایک عجیب تعلق ہے ، ایک حیرت انگیز اتحاد ہے اور ایک جنونی محبت ہے ، کیا یہ محبت میرے سینے میں چند دنوں قبل نہیں تھی؟ مجھے نہیں معلوم ... لیکن میں نے اسے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا جیسے اب کر رہا ہوں ، تو پھر وجہ کیا ہے؟ یہ سیلابی طوفان کیسے پھٹ پڑا ؟ اس انوکھی بے پناہ محبت کے چشمے کیسے جاری ہوئے؟ وجہ کیا ہے؟ میں برابر اس کی تلاش میں ہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اسے پالوں گا ، مجھے محسوس ہوا کہ یہ میرے دل میں، ہم سب کے دلوں میں ، میرے اور یافا سکنڈری اسکول کے تمام عزیزوں میں، بلکہ التفاح محلہ کے تمام عزیزوں میں، غزہ کے الدرج محلہ میں، بلکہ اس پاک وسیع زمین پر بھی ہے ، تو عنقریب میں اس کی جستجو کروں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اسے اپنی ہستی کی گہرائیوں میں ، اپنی روح میں پالوں گا ۔

یافا ثانوی نے انہیں بڑی حد تک بے چین کر دیا تھا، کیونکہ اس کا جائے وقوع ان کی آمد و رفت کے راستے پر تھا، اور اس میں تقریباً پانچ سو طلباء کا مجمع رہتا تھا جو اسے روزانہ کی بنیاد پر تصادم ، مڈبھیڑ اور مقابلے کا حساس مرکز بناتا تھا ، کچھ عرصے بعد انہوں نے اس بات کا ادراک کیا، لہٰذا انہوں نے ہمیں وہاں سے شجاعیہ کے انتہائی مشرق میں الفرات اسکول منتقل کرنے کا فیصلہ کیا، وہ اسکول ہمارے گھروں سے اور ان کی آمد و رفت کی نقل و حرکت سے بہت دور تھا ، ہم نے ایک طویل کوشش کی کہ اس فیصلے کو ناکام بنائیں، لیکن انہوں نے انہیں متنفر کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دی، لیکن یافا ثانوی سمیت کئی اسکولوں نے ان کی آنکھوں سے نیند اڑا دی ،

حالات بگڑتے گئے اور یافا اور الفرات کے درمیان تعلیم غیر متوازن رہی، ہڑتال اور تصادم ہوتے رہے ، لہٰذا مجھے اپنی زندگی میں ایک نیا رخ اختیار کرنا لازم تھا ، کیونکہ گھر کی ضروریات بہت زیادہ تھیں اور والد ان تمام درخواستوں کو پورا کرنے کے قابل نہ تھے کیونکہ ان کی عمر تقریباً ساٹھ برس ہو چکی تھی ، اس طرح میں نے کام کی دنیا میں اپنا سفر شروع کیا ، کام کے دوران جبالیا میں واقع الفلوجہ سیکنڈری اسکول میں داخل ہوا، جہاں میں نے اپنی پہلی اور دوسری سیکنڈری کی سند حاصل کی، اور ہائر سیکنڈری تعلیم حاصل کرنے کا موقع بہت ہی کم ملا ، وہ چند مواقع جو مجھے یاد ہیں کہ میں جن میں صبح سویرے اپنی زندگی کے اس مرحلے سے قبل یعنی صبح چھ بجے سے پہلے گھر سے نکلا ، لیکن میں جانتا تھا کہ شارع صلاح الدین میں بہت زیادہ ہلچل اور شور ہے، جو فقط گھر کے مشرقی سمت میں دسیوں میٹر کے فاصلے پر ہے ۔

ہر صبح سوائے ہفتے کی صبح کے بڑی تعداد میں مزدور 1948 سے مقبوضہ علاقوں کے کام کرنے کے لیے نکلتے ہیں ، مجھے اس منظر کی حدود کو مکمل حد تک جاننے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ جیسے ہی سورج کی نئی کرنیں نمودار ہوتی وہاں تل المنطار کے پیچھے سے حرکت رفتہ رفتہ کم ہو جاتی ، اس وقت مزدور اپنے توشے اور کام کے اوزار بیگ میں ڈال کر اپنے کندھوں پر لٹکائے ہوئے یا بوروں سے یا موٹے کپڑے کے ٹکڑوں سے ڈھکی پلاسٹک کی ٹوکریوں میں رکھے ہوئے شمال کی طرف کوچ کرتے ، اور جب سورج افق کو روشن کرتا اور ہمارے اسکول جانے کا وقت قریب آتا ، تو حرکت کم ہو چکی ہوتی ، یا تا حدِ انتہا کے قریب ہوتی ، میں صبح کی اس حرکت کی حقیقی شکل و صورت ، حجم و ضخامت کو مکمل طور پر نہیں سمجھ سکا تھا، لیکن میں شام کی حرکت کے بارے میں واضح طور پر جانتا تھا ، کیونکہ میں اسے اکثر ان شاندار ایام میں دیکھتا تھا یا اس کے اہم حصے دیکھتا تھا جب میں کچھ ہم عمر دوستوں کے ساتھ ہمارے گلی کے کنارے، پھاٹک کے قریب کھڑا ہوتا تھا ، ہم لوٹنے والی مختلف اقسام کی ہزاروں گاڑیوں کی حرکت کو دیکھتے تھے جو مزدوروں کو ایک طویل مزدوری کے دن کے بعد واپس لے جاتی تھیں ، مجھے دور سفر کرنے کا یا کسی ایسے طویل سفر پر جانے کا موقع نہیں ملا تھا جس کے لیے گاڑیوں کی ضرورت ہوتی ہے ، اس لیے میں اچھی طرح سے نہیں سمجھتا تھا کہ کندھوں پر بیگ اٹھانے اور ہاتھوں میں ٹوکریاں اٹھانے کی حالت میں ان آنے جانے والے ، نکلنے لوٹنے والے لوگوں کے لیے یہ حرکت کیا معنی رکھتی ہے ، والد بھی انہی کی طرح ہر صبح نکل جاتے تھے اور ہر شام دیگر لوگوں کی طرح بیگ

لٹکائے واپس آتے تھے ، میں بخوبی جانتا تھا کہ ان بیگوں کے اندر کیا ہوتا ہے اور میں اکثر سوچتا تھا کہ کیا یہ سب آنے جانے والے بھی اپنے دوپہر کا کھانا اسی طرح کھاتے ہیں جیسے میرے والد کھاتے ہیں ؟ کیا ان سب کو وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں جو ہمیں والدہ تب فراہم کرتی تھی جب ہم اسکول سے واپس آتے تھے ، مثلاً : تازہ روٹی، گرم کھانا اور محبت و شفقت سے بھرپور گھر کا ماحول؟ مجھے بالکل پتہ نہیں تھا کہ وہ کیسے جیتے ہیں؟ کیا کھاتے ہیں؟ ان کی بیگوں اور ٹوکریوں میں کیا ہوتا ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے چلتے ہیں؟ "اور یہ بات مجھے زیادہ پریشان نہیں کرتی تھی، صحیح یہ ہے کہ میرے دماغ میں اکثر گردش کرتی رہتی تھی ،حالیکہ میں دور کھڑے ہو کر اس حرکت کو دیکھ رہا ہوتا تھا ، لیکن جب میں اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ گھومتا پھرتا تو ہم کسی اور دنیا میں ہوتے ، میں اپنے والد کو روزانہ دیکھتا تھا جب وہ بہت ہی تھکے ہارے واپس آتے تھے، لیکن وہ نہایت خوش ہوتے تھے، خاص طور پر جب وہ پڑھائی کے سال کے آغاز میں میرا نیا لباس یا نیا جوتا یا نیا بستہ دیکھتے ، ان شاندار ایام میں جب میں بیدار ہوتا تھا تو انہیں گھر میں نہیں پاتا تھا، اور بعد میں میں نے جانا کہ وہ صبح سویرے سورج کی اولیں کرن پھوٹنے سے قبل ہی کام کے لیے نکل جاتے تھے ، اب مجھے اس زندگی کو جینا تھا اور اس کے بھیدوں کو اندر سے جاننا تھا ، میں ابھی سولہ سال کا نہیں ہوا تھا کہ میں نے اپنی بیگ اٹھانی شروع کردی ، جسے میری والدہ میرے لیے میرے والد اور ادہم کی بیگ طرح تیار کرتی تھی تاکہ میں صبح نکل سکوں ، میں اپنے خالو کا انتظار کرتا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ کام کے لیے لے چلیں ، پہلی بار یہ ایک عجیب تجربہ تھا، ایک نئی زندگی اور نئی دنیا تھی ، جس میں آج میں داخل ہو رہا تھا ، میری آنکھیں اس منظر کی حقیقت سے کھل گئیں، خدایا ! روزانہ دسیوں ہزار مزدور سفر کرتے ہیں، ان میں سے کم از کم ایک گھنٹہ جانے اور ایک گھنٹہ واپس آنے کے لیے سفر کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے کام کی جگہ پہنچ سکیں، اور کچھ لوگ تو گھنٹوں سفر کرتے ہیں ، میں نے بیگ اٹھایا ، والدہ اور بہنوں کی آنکھوں نے اس بھرپور ہمدردی سے الوداع کہا جسے میں پیدائش کے بعد سے جانتا ہوں ، اور میں اپنے خالو کا اس جگہ پر انتظار کرنے نکلا ، جس کا انہوں نے مجھے کل رات بتایا تھا، ہم دوسرے مزدوروں کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوئے ، گاڑی شمال کی طرف روانہ ہوئی ، یہ ایک پرانی پیجو کی نوعیت کی کار تھی، مجھے گاڑیوں کے ماڈلز یا ان کے نتیجہ خیزی کے سالوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ، (یعنی یہ گاڑی کس سال کا موڈل ہے ؟ (ہزاروں اس جیسی گاڑیوں کے درمیان یہ کار فراٹے بھرتے ہوئے جارہی تھی ، میری نظریں کبھی دائیں تو کبھی بائیں دیکھ رہی

تھیں ، مجھے اس زمین سے بڑی محبت محسوس ہو رہی تھی جس پر میرے قدم یا وہ گاڑی کے پہیے چل رہے تھے جس پر میں پہلی بار سوار تھا ، ایک عجیب احساس اور ، محبت و حیرت ، مدہوشی و ہمدردی ، ایک اجنبیت و بے سبعی کے درمیان جذبات کا ملاپ تھا ، راستہ لمبا اور وسیع تھا اور گاڑیاں تیزی سے چل رہی تھیں ، میں ان پرانی گاڑیوں پر حیران تھا جو نہ تو اپنی رفتار توڑتی تھیں کہ وہ اسی عجیب تیز رفتاری سے چل رہی تھیں اور نہ اپنے راستے سے ہٹتی تھیں کہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں یا دور سڑک کے کنارے جا گریں ، ٹھیکیدار نے میرے سامنے مطلوبہ عمل کی وضاحت کرنا شروع کی جو مجھ سے پورے طور پر مطلوب تھا ، اور میں ان کی اس کام میں مدد کی کوشش کر رہا تھا جو مجھے آنے والے دنوں میں کرنا تھا ، جب تک کہ اللہ عزوجل میرے معاملے میں کوئی رہنمائی نہ فرما دیں ، میں مکسچر تیار کر رہا تھا اور ان کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا یا ان کو کام کرتے دیکھ رہا تھا، اس کے بعد انہوں نے مطلوبہ عمل یعنی دیواروں کی کچھ مرمت کرنا شروع کردیا ، کچھ وقت کے بعد میں نے سمجھا کہ وہ اس کام کو عبرانی میں "تو لتیم" کہتے ہیں یعنی تعمیر یا مرمت ، اور میں نے انہیں ضروری مواد اور آلات فراہم کرنے یا ان کے پیچھے صفائی کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا ، دن بہ دن میں کام کا عادی ہوتا گیا اور اس طبقے کی زندگی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے لگا ، میں نے ٹھنڈی باسی روٹی کھائی اور پچھلے دن کے پکے ہوئے باسی کھانے کا عادی ہونا شروع ہوگیا ، یا اللہ ، یہ ایک نئی ، پریشان کن ، سخت، مشکل ، اور بے رحم ، زندگی تھی ، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو ابھی نوعمر تھے اور جن کی ہڈیاں ابھی مضبوط نہیں ہوئی تھیں ، گھر کا گرم ماحول ، ماں کی محبت کی حرارت ، اور آرام دہ پرسکون زندگی سے مفارقت کا ایک عجیب احساس تھا، لیکن جو ناگزیر ہے اس سے بچا نہیں جا سکتا ، کیا مشکلات نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ؟ میرے خالو کو کام کے لئے بہت سے اوزاروں کی ضرورت ہوتی تھی، اور وہ انہیں روزانہ لے جانے اور واپس لانے سے قاصر تھے، اس لیے انہوں نے "تل ابیب" میں مرکزی بس اسٹیشن کے قریب ایک پرانا مکان کرائے پر لیا ، میں نے عبرانی کے کچھ الفاظ سیکھنا شروع کر دیے تھے بلکہ کچھ الفاظ تو میرے گفتگو میں بھی شامل ہوچکے تھے ، التحناة المركزية یہ بس اڈہ تھا ، اس علاقے کا نام شبیرہ تھا، جہاں انہوں نے ایک مکان کرائے پر لیا جس میں اوزار رکھے ہوئے تھے جن میں کچھ لکڑیاں، تعمیراتی اوزار، فلزی پلاسٹر ، پلاسٹک کی اشیاء، وغیرہ بالٹیاں وغیرہ شامل تھیں ، زیادہ تر اوقات اس جگہ پر جانا ضروری تھا تاکہ کچھ اوزار کام کے لیے لے جا سکیں یا واپس لا سکیں ، میں سمجھنے لگا کہ

ہماری قوم کے اس حصے کی زندگی میں ایک اور المیہ موجود ہے ، ہزاروں لوگ اپنے کام کی جگھوں پر انتہائی سخت حالات میں رہتے ہیں، جس کا میں نے بعد میں تجربہ کیا ، اس کی کئ وجوہات ہیں جو انہیں وہاں رہنے پر مجبور کرتی ہیں، جن میں سب سے اہم روزانہ سفر کی مشقت یا میری طرح غیر ہنر مند مزدوروں کے لیے گاڑیوں کے کرائے کی اجرت کو بچانا ہے ، مجھے یہ محسوس ہونے لگا تھا اور میرے لیے ضروری تھا کہ میں ان کے نقش قدم پر چلوں ، مجھے تعمیراتی اوزار کے لیے کرائے پر لیا گیا مکان سب سے مناسب جگہ لگی، اس لیے میں اور وہاں دوسرے رہنے والے لوگوں نے اوزاروں کے ڈھیر کے درمیان سونا ، کھانا ، جاگنا اور چائے پینا شروع کر دیا ، ہم جمعہ کی شام کو غزہ میں گھر واپس جاتے اور اتوار کی صبح کام اور رہائش کے لیے واپس آتے ، یہ حالت تقریباً چھ ماہ تک جاری رہی ، میں اس کے بعد ایک اور جگہ منتقل ہوگیا جہاں پہلے میرا بھائی ادہم کام کرتا تھا ، یہ ایک ایلومینیم کا گودام تھا ، ادہم کو رام اللہ کے ایک ٹیچرز انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ ملا تھا اور والدین کے اصرار پر کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرے، اس نے کام چھوڑ دیا ، وہ بھی گھر کے خرچ میں مدد کرنے کے لیے کام کرنا چاہتا تھا، لیکن اس نے تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ، اس کے کام کی جگہ خالی ہو گئی ، لہذا میں منتقل ہوگیا تاکہ اس کی جگہ بہترین اجرت و حالت کے ساتھ کام کر سکوں ، وہاں کارخانوں میں کام کرنا تعمیراتی ورکشاپس کے مقابلے میں بہتر تھا، لیکن رہائش وہی کرائے کا گھر تھا جو شبیرہ میں تھا ، تعمیراتی ساز و سامان اور لکڑی کے ڈھیر کے درمیان رہنا پڑتا تھا۔

ایک واقعہ جو اس گھر سے جڑا ہے، میری یاداشت میں ہمیشہ محفوظ رہے گا، اس نے میرے ذہن پر اچھا اور برا دونوں طرح سے اپنا نقش چھوڑا ہے ، سن 1948 میں مقبوضہ علاقوں کے اندر رہائش ممنوع تھی، جب تک کہ کوئی اجازت نامہ نہ ہو اور یہ بات معلوم تھی کہ پولیس ان لوگوں کا پیچھا کرتی ہے جو بغیر اجازت کے رہتے ہیں ، ایک رات پولیس نے مذکورہ گھر کا پتہ لگایا اور چھاپہ مارا، اور اس نے ہمیں پکڑ لیا ، جہاں ہم بغیر اجازت کے تھے ، میں سب سے چھوٹا تھا، میرے نصیب میں ایک تھپڑ تھا ، جس سے دنیا میری آنکھوں کے سامنے تاریک ہو گئی، اور کافی دیر بعد یہ تاریکی ختم ہوئی ، میری طرح ہزاروں لوگوں کو مارا پیٹا گیا، تھپڑ اور لاتیں ماری گئی اور میں نے اس تھپڑ سے زندگی کا ایک نیا مطلب سیکھا ، جو مطلب مجھے نہ تو باسی روٹی اور نہ باسی کھانے سے ، نہ دشوار سفر اور نہ اہل خانہ سے ہفتہ بھر کی جدائی سے اور نہ ہی دن بھر کی محنت

کے بعد لکڑی کے ڈھیر کے درمیان سونے سے سمجھ آیا تھا، ایک نیا نیا اور خطرناک مطلب، میں نے محسوس کیا کہ لوہے کی سردی میرے جسم میں سرایت کر رہی ہے، جو میرے اور میرے ساتھیوں کے پاؤں میں ہے، اور ہزاروں مزدوروں کے پاؤں میں بندھی ہوئی تھی اور وہ اپنے ہاتھوں سے ایک تمدن اور مقبوضہ ریاست کی تعمیر کر رہے تھے ، وہ خطرناک مطلب جسے میں نے محسوس کیا جب میں زندگی کے ایک لقمہ پر زیست سے نبرد آزما تھا، تاکہ میں اس خلا کو پُر کر سکوں جسے ادہم اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے چھوڑ کر گیا تھا، اور جسے والد صاحب عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ گئے تھے ، ایک نیا مطلب جو میری زندگی کی سمجھ پر اثر انداز ہوا، میں اس حجم اور اس خطرے کو نہیں جانتا تھا، صحیح بات یہ ہے کہ میں جانتا تھا کہ ہم قبضے کے زیرِ سایہ زندگی گزار رہے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ میں اپنے بھائیوں یعنی یافا اسکول کے طلباء کے ساتھ قابض فوج سے جھڑپوں اور تصادم میں شامل تھا، لیکن یہ ایک نیا سبق تھا، ایک نیا مطلب تھا، ایک نئی سوچ تھی، غصے کے آنسو میرے دل میں، حسرت و افسوس اور جوش جذبے کے ٹیلے کی طرح جم گئے۔

فی الحال اس کو چھوڑیں... میں نے تقریباً ایک سال ایلومینیم کے گودام میں کام کیا اور ادہم دوبارہ وہاں کام کرنے لگا، جب کام کا دباؤ کم ہوا تو میں نے یہ کام چھوڑ دیا اور واپس غزہ چلا گیا، ادہم نے گودام میں کام شروع کیا اور دوبارہ جب انسٹی ٹیوٹ جانا طے ہوا تو میں پھر سے اس کی جگہ پر کام کرنے لگا، میں عام طور پر گودام میں اکیلا عرب ہوتا تھا اور چار یا پانچ یہودی ساتھی تھے، ہر لفظ میں، ہر سرگوشی میں، ہر حرف میں، حتیٰ کہ نظروں میں بھی، اور اُن کاموں میں جو مجھ سے ان کے بغیر انجام دینے کو کہا جاتا اور ہر اس چیز میں جو میرے اردگرد تھی میں ان کے معاملات میں امتیاز اور برتری کے حوالے سے نسل پرستی کو محسوس کرتا تھا، میں محسوس کرتا کہ وہ مجھے کم تر سمجھتے ہیں، جیسے وہ اعلیٰ مقام پر ہوں، جب وہ مجھ سے مذاق کرتے تو ان کی ہنسی میں بھی، ، میں ان کے احساسات کو محسوس کرتا تھا کہ وہ مجھے ناقص، کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں، مجھے اس پر تعجب ہوتا تھا کہ کیا ان کی چار آنکھیں ہیں اور میری دو؟ یا ان کے چار کان ہیں اور میرے دو؟ ان کے اس احساس و نظر کی کیا وجہ ہے؟ اور ہر نظر کے ساتھ میں اپنے پیروں میں بیڑی کی ٹھنڈک محسوس کرتا، اس بڑی زنجیر کی ٹھنڈک جو ہم سب کی گردنوں کو جکڑے ہوئے تھی، مجھے مکمل تو یاد نہیں پڑتا کہ یہ واقعہ کیسے پیش آیا، لیکن ایک دن ان میں سے کسی

نے مجھ سے گودام کی زمین صاف کرنے کا مطالبہ کیا ، آہ ! ان کے رویے میں غرور تھا اور وہ مجھے نظر حقارت سے دیکھ رہا تھا ، ہائے قید کی وہ سردی ! کیا انسان پستی و انحطاط کی اس حد تک پہنچ سکتا ہے ؟ میرے والد دور اندیش اور عقلمند تھے جنہوں نے بچپن سے ہی مجھے پرنٹنگ پریس میں لگا دیا تاکہ میں مشکلات کا سامنا کر سکوں ، کیونکہ ہماری تو پوری زندگی ہی مشکلات سے پُر تھی یا یوں کہیے کہ مشکلات ہی ہماری زندگی تھے ، میں نے اسے دیکھا اور محسوس کیا کہ میری نظروں نے اس کے سینے کو چیر کر اس کے دل میں خوف بھر دیا ہے ، تو وہ پلٹ گیا اور مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے زمین کیوں نہیں دھوئی ، لیکن قید کی برودت میرے جسم میں سرایت کر گئی اور مجھے شدت سے جھنجھوڑ دیا ، اور میرے لیے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ وہ دن ایک بابرکت دن تھا جب میں نے مزدوروں کی زندگی کو جانا، میرے ذہن میں حقیقت کی تصویر واضح ہوگئی ، وہ حقیقت جو دلکش پردوں میں لپٹی ہوئی ، دھوکہ دہی اور ملمع کاری کے دورِ ٹیکنالوجی میں حقیقتا غلامی ہے ، دن گزرتے گئے اور ہفتے بیت گئے ۔

میرے ماموں کرمل کے علاقے میں ایک سلائی فیکٹری میں کام کرتے تھے اور میں وہاں ان کے ساتھ رہنے لگا کیونکہ وہاں زندگی کے حالات بہتر تھے ، مجھے ہر روز کام کے لیے پیدل طویل فاصلہ طے کرکے جانا پڑتا تھا اور (اسی طرح) واپس آنا پڑتا تھا ، اس دوران میں نے بہت ساری کہانیاں، واقعات اور مشاہدات دیکھے ، میں نے اس معاشرے میں بہت زیادہ خلا دیکھا ہے جو تسلسل اور بقاء کی بنیادوں سے محروم ہے ، میں نے زندگی کے لیے بے تابی، دنیا کے لیے جھگڑا، بغض و حسد، اور دلوں میں تفرقہ دیکھا ، تقریباً دو سال میں نے ان کے درمیان گزارے اور چیزوں کو گہرائی اور حقیقت کے قریب سے سمجھنا شروع کیا، لیکن سب سے اہم بات جو میں نے ہمیشہ سمجھی اور محسوس کی کہ وہ ہم سے بے پناہ نفرت کرتے ہیں، وہ ہمارے خون، مال اور ہر چیز پر ہاتھ صاف کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ، کئی بار اس نے یا اس نے میری محنت و کمائی کو دبانے کوشش کی، اس طور پر کہ وہ مجھے دن کے آخر یا ہفتے کے آخر میں میری مزدوری دینے سے انکار کرتے ، اور دباؤ، دھمکی اور خوف کے سبب آخر کار انہیں کئی بار ادائیگی پر مجبور ہونا پڑتا ، ہر دن میں ان کی کوششیں محسوس کرتا کہ وہ میرا اور میرے ساتھیوں کا آخری رمق تک کام اور پیداوار میں بہرصورت خون چوسنا چاہتے ہیں، یہ سب کچھ یہاں نہیں رکا ، ایک دن جب میں کارخانے سے واپس کرمل میں اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا ، شام کے سات بج چکے تھے،

برسات کا موسم تھا اور گھٹا ٹوپ اندھیرا علاقے پر چھایا ہوا تھا، ایک گاڑی میرے پاس رکی اور اس نے مجھ سے کچھ بے مقصد سوالات پوچھے، جیسے کہ کتنے بجے ہیں ؟ تم کہاں سے ہو ؟ میں نے اس کا مقصد اس وقت سمجھا جب گاڑی اچانک مجھے ٹکر مارنے کی کوشش کرتی ہوئی آگے بڑھی، اللہ کا شکر ہے کہ میں نے حادثے سے قبل ہی خطرہ بھانپ لیا، جب موقع اس کے ہاتھ سے نکل گیا، تو میں نے دیکھا کہ وہ دور سے گاڑی گھما کر اپنا مقصد پانے کے لیے پھر سے کوشش کرتے ہوئے رخ کر رہا ہے، اس کے بعد مجھے لازمی طور پر زیادہ محتاط رہنا پڑا، میں نے سوچا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور ایسا رویہ کیوں؟ کیا یہ سست قتل کی کارروائی کافی نہیں جسے میں اور ہم سب جھیل رہے ہیں، دوبارہ صبح کے وقت جب میں کام کے لیے نکل رہا تھا، تو دو نوجوان جو سادہ لباس میں ملبوس تھے، انہوں نے خود کو پولیس اہلکار بتایا اور میرا شناختی کارڈ مانگا، میں نے انہیں قابلِ التفات نہ سمجھا جب تک کہ وہ یہ ثابت نہ کریں کہ وہ پولیس والے ہیں، انہوں نے زبردستی میرا کارڈ چھینا اور مجھے ایک بڑی عمارت کے پیچھے سنسان جگہ کی طرف لے جانے کی کوشش کی، میں نے ایک کے کپڑوں کے نیچے چھری دیکھی اور حقیقت کو سمجھ گیا، مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان سے لڑنا شروع کر دیا، تب کچھ عرب مزدور میری حمایت کے لیے آگئے، جب انہیں اپنی کام کی جگہوں پر پہنچانے والی گاڑی ٹھہر گئی تو وہ دونوں وہاں سے بھاگ نکلے، میں نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش کی کیونکہ میرا شناختی کارڈ ان کے پاس تھا اور میں آگاہ ہوگیا کہ انہوں نے اس میں موجود پیسے جو کہ اس لمحے میری کل جمع پونجی تھے، چوری کرنے کے بعد فرار ہوتے وقت اسے پھینک دیا تھا، یہ ہمارے عوام کے اس طبقے کی زندگی عجیب و غریب ہے، جسے میں نے دو سال کے دوران اپنے بھائیوں اور عوام کے دیگر افراد کی طرح جھیلا، ہم روزی روٹی کو خون چوسنے والوں کے چنگل سے کھینچ نکالتے ہیں اور ان کی گرفت سے آزاد کراتے ہیں، اس پر موت تک یا کم از کم اپنی آخری سانس تک لڑتے رہتے ہیں تاکہ ہفتے یا مہینے کے آخر میں اپنے کام کی اجرت لے سکیں، کبھی کبھی میں غزہ واپس آتا (تو دیکھتا کہ) وہاں سنافور بادلوں کو چھوتا ہوا بلند و بالا بدستور اسی جگہ قائم ہے، تاکہ میں پیسوں سے بھرے اپنے ہاتھ، جو اس رقم سے کئی گنا زیادہ ہوتے جو میں نے پہلی بار پریس سے حاصل کیے تھے، پھیلا سکوں، یقیناً ماں کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، لیکن میں نے کبھی پہلی مسکراہٹ جیسی نہیں دیکھی، اس عرصے کے دوران میری زندگی کی ایک اور رِیل تیزی سے چل رہی تھی اور حالات میرے ساتھ تیز رفتاری اور حیرت انگیز طور پر ترقی کر رہے تھے، انتفاضہ کی آگ پھیل گئی تاکہ ہر جگہ حاوی ہو

اور کوئی علاقہ ایسا نہیں بچا تھا جہاں اس کی کارکردگی میں کوئی رول و کردار نہ ہو ، میں ان بیشتر افراد میں سے تھا جنہوں نے سب سے پہلے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہے، کہ مجھے احتجاج کرنے والوں کے درمیان اپنی جگہ لینی ہے ، میں نے دیگر لوگوں کی طرح واردات و واقعات میں حصہ لیا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میری یہ شمولیت بغیر روح کے ہے ، یہ واضح ہو چکا تھا کہ انتفاضہ کی سرگرمیوں میں شرکت کے لیے کسی ایک فعال تنظیم میں شمولیت ضروری ہے ، ہماری زندگی کے اس عرصے سے پہلے میں تنظیموں یا گروپوں کی موجودگی کے بارے میں حقیقتاً واقف نہیں تھا ، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ تمام لوگ شیئ واحد کی طرح ہیں، لیکن مبارک انتفاضہ کی ترقیات نے میری اور سب کی آنکھیں فلسطینی میدان میں موجود تنظیموں اور مختلف خیالات کی حقیقت پر کھول دیں ، مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا کہ مجھے ان میں سے کسی ایک تنظیم کے ذریعے کام کرنا چاہیے کیونکہ میں اس قوم کے نوجوانوں میں سے ایک ہوں اور یہاں ایک بیداری و شعور تھا لہذا شمولیت لازمی تھی ، اور میں ایک بڑا خلا محسوس کر رہا تھا جسے پُر کرنا ضروری تھا ، میں نے طویل عرصے تک ایک ایسے وسیلے کی تلاش کی جو مجھے اس سمت میں لے جائے اور میں میدان میں موجودہ ناموں کے درمیان فرق کو سمجھنے سے قاصر تھا ، میرے پہلے تجربے کی ابتدا ایک قومی تنظیم کے ساتھ ہوئی جو انتہائی سادہ تھا، جس کا میں نام ذکر کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا ، میں نے اس کی صفوں میں شمولیت اختیار کی اور اس کی پروگراموں اور سرگرمیوں کے ذریعے اپنا کردار ادا کرنا شروع کیا ، میں نے کئی بار رات کو دیواروں پر نعرے لکھنے کے لیے دیگر ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلا، ہڑتالوں کی دعوت دی، سرکاری اداروں میں کام کرنے والوں کے استعفیٰ کی دعوت دی، اور دیگر سرگرمیوں میں سادہ طور پر حصہ لیا ، لیکن باوجود اس کے کہ میں ان ہم عمروں کے گروپ میں تھا جن کے ساتھ مجھے رفاقت ، دوستی اور ہم آہنگی کا موقع مل سکتا تھا، لیکن میں نے ایک گہری عجیب سی کیفیت محسوس کی کہ یہ شمولیت میرے اندر کی کمی کو پورا نہیں کر رہی تھی ، مجھے ایک احساس تھا کہ مجھے شمولیت اختیار کرنی چاہیے اور میں نے وہ ہم آہنگی اور توافق نہیں پایا جو میں طویل عرصے سے تلاش کر رہا تھا ، سچ یہ ہے کہ مجھے اپنی ذات کے ساتھ ایک عجیب سا تضاد محسوس ہو رہا تھا ، میرا ہاتھ ایک اور نام لکھنے کی کوشش کر رہا تھا بجائے اس نام کے جس کے تحت میں کام کر رہا تھا (حماس کا نام) ایک عجیب سا احساس تھا جو مجھے اس نام کے ساتھ دستخط کرنے پر مجبور کر رہا تھا، حالانکہ میں نے بھی حماس میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی اور میں اس کے بارے میں اتنا

ہی جانتا تھا جتنا میرے ہم عمر فلسطینی سڑکوں پر جانتے تھے ، میرا ہاتھ میری مرضی کے بغیر حماس کے تئیں دستخط کے لیے حرکت کرتا ہے اور میں اسے طاقت اور شدت سے روکتا ہوں تاکہ میں اس نام پر دستخط نہ کروں جس کے جھنڈے تلے میں نے گہرا احساس و شعور رکھتے ہوئے اپنے اور اپنے نفس کے درمیان تضاد اور اختلاف کے ساتھ کام کیا تھا، گھر واپس آ کر میں دیر تک سوچتا کہ یہ احساس کیوں ہے؟ میں اس سے کیسے چھٹکارا حاصل کروں ؟ میں نہیں جانتا تھا کہ قسمت میرے لیے آنے والے دنوں میں کچھ بڑا چھپائے ہوئے ہے ، مجھے بعد میں احساس ہوا کہ میرے ارد گرد کی ہر چیز مجھے اس راہ کی طرف عجیب طریقے سے اس قسمت کے لیے دھکیل رہی تھی جو میرے رب نے میرے لیے منتخب کی تھی ، ماضی کی یادیں ، عزت و ذلت کے وہ ایام ، دادی کی کہانیاں، بئر السبع کے دن، اور دادا کی ٹانگ جو وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے ، ان کے ساتھ جو کچھ بھی انہوں نے جمع کیا، بنایا اور آباد کیا ، دادی کی سماعت ، ماموں طاہر اور ماموں بدر کی کہانیاں، روزانہ پانچ بار اذانیں جو میرے ارد گرد کی ہر سمت سے آتی تھیں ، یہ سچ ہے کہ میں ہمیشہ نماز کا پابند نہیں تھا، اگرچہ میں نے اپنی زندگی کے لمبے عرصے تک اس کی پابندی کی، لیکن میں نے اس سے وقفہ بھی لیا ، گھر کی ساری چیزیں ، میری والدہ اور بہنوں کی قوت سے مجھے نماز کی طرف مائل کر رہی تھیں، میں انہیں پورے دن بار بار مکمل لباس میں دیکھتا ، وہ اپنے سروں پر سفید چادریں ڈال کر نماز کے لیے قبلہ کی طرف رخ کرتیں ، میں اس منظر کو بڑی عجیب عقیدت سے دیکھتا تھا اور مجھے پاک دامن مریم مقدسہ رضی اللہ عنہا یا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی یاد آتی ، مجھے وہ دن یاد ہے جب اس تحریک کی ایک نمائندہ شخصیت نے جس کے لیے میں نے کام کیا تھا ، ٹی وی پر تقریر کی ، میں نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا، ٹی وی آن کیا اور تقریر سننے لگا ، اچانک میری بہن نے کمرے کا دروازہ کھولا اور جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ حیران رہ گئی ، اس نے جب دیکھا تو چیخ کر کہا کہ تم کیا کر رہے ہو ؟ اور ٹی وی بند کر دی اور مجھے سختی سے ڈانٹا ، اس نے مجھ سے لمبی چوڑی گفتگو کی اور اجمالی طور پر سمجھایا کہ وہ ان لوگوں سے مطمئن نہیں ہے ، میری والدہ، بہنیں اور بھائی ادھم نے محسوس کیا کہ میرا اس جماعت کے ساتھ تعلق ہے اور میں نے محسوس کیا کہ انہیں اس چیز نے واضح طور پر دل برداشتہ کیا ہے ، میری والدہ نے کئی بار واضح طور پر کہا کہ وہ اس سے خوش نہیں ہیں اور وہ نہیں چاہتی کہ میں ان نوجوانوں کے ساتھ یا ان کے راستے پر چلوں ، میرے بھائی ادھم کا محلے میں کئی نوجوانوں کے ساتھ تعلق تھا، لیکن وہ سب مسجد، نماز اور ان دیگر چیزوں کی پابندی

کرتے تھے جن کی میں حقیقت نہیں جانتا تھا ، میری والدہ اور بہنوں کی بات چیت ادھم اور اس کے دوستوں کے بارے میں اور اس دائرۂ کار کی بابت جس میں وہ متحرک تھے اطمینان بخش تھی ، میری آنکھیں حماس پر خاص طور پر ۱۹۸۹ء میں ہونے والی گرفتاریوں کے بعد ہی کھلیں ، جس میں شیخ احمد یاسین بھی گرفتار ہوئے ، میں نے دیواروں پر انقلابی نعروں کو پڑھا جسے تحریک کے ان افراد نے لکھا تھا جو گرفتاریوں سے بچ گئے تھے ، اسی طرح ہمارے شہر کے دیگر پاکیزہ افراد نے بھی پڑھا ، میں نے بہت سی حقیقتوں کو سمجھا اور میری آنکھیں ان معاملات پر کھل گئیں جو ایک طویل عرصے تک میرے لیے پوشیدہ تھیں ، میں نے شیخ احمد یاسین کو براہ راست نہیں دیکھا، لیکن ان کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا اور کئی بار ٹی وی پر دیکھا تھا ، میرا ان کے تیئں بڑی محبت و احترام تھا بغیر یہ جانے کہ ان جذبات کے پیچھے حقیقی وجہ کیا ہے ، جب ان کا نام لیا جاتا، ان کی تصویر دیکھی جاتی یا انہیں دیواروں پر پڑھا جاتا، تو میں اپنے تصور و خیال میں ایک قسم کی تعظیم محسوس کرتا تھا ، میرے ارد گرد کی ہر چیز، یہاں تک کہ مسجد کے مینارے کی آواز، مجھے پکارتی اور صدا دیتی تھی، کہ یہ تمہاری راہ ہے، یہ تمہاری راہ ہے ،اور میں محسوس کرنے لگا کہ میں نے اپنا قدم اس اولیں راستے پر رکھ دیا ہے جو مجھے عنقریب اپنی ذات سے ملنے، اپنی روح اور وجود کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی طرف لے جائے گا، میری روح مجھے پکار رہی تھی، مجھے بیداری میں، خوابوں میں، سپنوں میں بلا رہی تھی کہ میں تمہاری روح کے ساتھ مل کر تمہارے وجود کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاؤں ، میرے قدم مجھے خواہی نہ خواہی طور پر اُس راستے کی طرف کھینچ رہے تھے جسے میں اپنی روح کی گہرائیوں سے بخوبی جانتا تھا ، میرے ارد گرد کی سب چیزیں، ہاتھ، الفاظ، اور ترغیبات مجھے دھکیل رہی تھیں ، یہاں تک کہ میں نے خود کو مسجد السدرۃ کی صفوں میں نمازیوں کے درمیان ایک بار، دو بار، تین بار کھڑا پایا اور اسی طرح میں نے اپنی مرضی اور بے مرضی سے اپنے جوتے پہن لیے، کپڑے کے ٹکڑے کو اپنے کپڑوں کے نیچے لے لیا، اور مسجد کی طرف نکل پڑا ، اس دن میں نے محسوس کیا کہ نوجوان کچھ کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں اور وہاں مسجد میں، نماز کی صف میں، ان سب نوجوانوں کے درمیان، میں نے اپنی ذات کو تلاش کرنا شروع کر دیا ، میں اپنی روح کے ساتھ ملاقات کرنے لگا ، اور اپنے وجود کے ساتھ ہم آہنگ ہونے لگا ، میرے لیے واضح ہوگیا کہ یہ میرا اور میرے جیسے دیگر اس دیانتدار قوم کے بچوں کے لیے صحیح مقام ہے ، میں نے اپنے قدم کو اولیں راستے پر رکھا اور لازم تھا کہ میں اس راستے کو آخر تک جاری رکھوں میں نے مسجد کی بار بار زیارت کی، یہاں تک

کہ میں اس کا ایک مستقل حصہ بن گیا ، میں نے طویل انتظار کیا، مجھے محسوس ہوا کہ میں نے دس صدیوں کا انتظار کیا ہے، کہ کوئی آئے اور مجھے اس فوج میں شامل کرے تاکہ میں حقیقی سپاہی بن سکوں ، میں نے انتظار کیا، مزید انتظار کیا، اور مزید انتظار کیا، اور انتظار سے تنگ آ کر میری روح پھٹ پڑی، تو میں خود آگے بڑھا اور میں نے اپنے آپ کو ایک سپاہی کے طور حماس کے لیے پیش کر دیا ، ہاں، میں نے یہ درخواست اپنی زبان سے کی ، میں نے محسوس کیا کہ الفاظ زبان سے نہیں بلکہ قلب اور روح کی گہرائیوں سے نکل کر پرواز کر رہے ہیں، اور میرے جذبات پھٹ پڑے ، اور میں اب مزید صبر نہیں کر سکا ، کیونکہ میں اپنی روح کو دریافت کر چکا تھا اور اس سے مل چکا تھا ، کیا میرے لیے اپنی روح سے دوبارہ الگ ہونا درست ہوگا ؟ میں حیران و پریشان ہوا ، میں نے ابو صائب کو دیکھا اور میں نے اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کر دیا ، میں سمجھتا تھا کہ وہ میری حماس کے لیے سپاہی بننے کی تیاری کی خبر ، جوش و خروش، شوق و ذوق سے قبول کریں گے، لیکن انہوں نے مجھ سے ایک عجیب سرد مہری کے ساتھ ملاقات کی اور ایک مبہم جواب دیا جس سے مجھے کچھ واضح سمجھ نہیں آیا ، کیا انہوں نے قبول کیا ؟ کیا انہوں نے انکار کیا ؟ کیا انہوں نے حماس کے ساتھ اپنے تعلق کی نفی کی؟ کیا انہوں نے مجھے وعدہ دیا؟ کیا انہوں نے میری امید توڑ دی؟ کیا میں ان مطلوبہ مقصودہ صفات کو تلاش کر سکا اور اس دھاگے کے سرے کو پکڑ سکا جو مجھے میرے مطلوبہ مقصد و ہدف تک پہنچائے گا ؟ میں نے کئی اور طویل دن گزارے، جنہیں میں نے محسوس کیا کہ وہ دن دل میں گردش کرتے ان متعدد سوالات کے جوابات پائے بغیر دس صدیوں کے برابر تھے ، میں نے انتظار کیا میں نے خوب سوچا کہ میں کیا کروں اور اس ملاقات کو مکمل کرنے کا راستہ کیا ہے ؟ اور میں اب فقط خود کو روح اور وجود کے ساتھ محسوس کرنے لگا تھا ، میں اپنی کامل ذات پر مطلع ہوگیا ، اور میری روح نے آج ہی دائمی مقدس معانقہ کیا ہے ، آج ہی میں نے ان آنسوؤں کا راز جانا جو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور میں انہیں روکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نہیں کر سکا ، میں نے اس سوال کا واضح جواب جانا جس نے مجھے پریشان کر رکھا تھا اور میری نیندیں اڑا رکھی تھی ، میں نے اس وجہ کو جانا جس نے میرے جذبات کو بھڑکایا اور میرے نفس میں پوشیدہ محبت کو پاکیزہ و بابرکت فلسطین کے لیے ابھارا ، فلسطین میں سب کچھ میں نے اُس دن جانا جب میں نے اپنی روح سے ملاقات کی اور میں اپنے وجود پر مطلع ہوا ، میں اپنی روح سے ملا ، ہم سب اس اعلیٰ اور دائمی تکبیر کے نعرے کے ساتھ ملے ، اور ہم سب نے انبیاء کی سرزمین فلسطین کے ساتھ ایک عظیم

ملاقات کی ہم نے کائنات کے ایک شاندار ملاقات میں جس کا عالم شاہد ہے ، سب کچھ جان لیا، میرے جذبات پھٹ پڑے، اور میرے احساسات بہہ نکلے، اور آنسو صرف میری آنکھوں سے نہیں بلکہ میرے دل سے بھی بہنے لگے ، میں نے آج اسے سمجھ لیا اور اسے اپنے دل اور روح سے محسوس کیا ، بلکہ اپنے ہاتھوں سے بھی ، میں نے جان لیا کہ میں آج حماس کا ایک سپاہی بن چکا ہوں ، آج ابو سلیم میرے پاس آیا اور مجھے اس مومن فوج کے تحت شامل ہونے کی دعوت دی ، مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کیا جواب دیا اور کیا جواب دینا ضروری تھا ؟ میں دور پرواز کر رہا تھا ، میرا جسم ان کے سامنے تھا ، میری آنکھیں ان پر مرکوز تھیں، لیکن میری عقل و روح آسمان کی وسعتوں میں فرشتوں، نبیوں، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہالہ بنے ہوئے تھی ، میری روح وہاں اس شیخ کی روح سے ملتی ہے جسے میں نے اپنی زندگی میں بھی براہ راست نہیں دیکھا، یعنی شیخ احمد یاسین کی روح سے جو دنیا سے کٹ کر جیل کی کوٹھری میں ہے ، تاکہ میں اس سے یہ عہد کروں کہ میں اس مشن کو مکمل کروں گا چاہے اس کی قیمت کچھ بھی ہو، چاہے قربانیاں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں ، میں اس لمحے حماس کا سپاہی بن چکا تھا ، میں اس کا حقیقی مطلب نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی یہ جاننا میرے لیے اہم تھا ، میرا سارا دھیان اس بات پر تھا کہ مجھے اپنی ذات ملی ، اپنی روح سے ملاقات ہوئی، اور مجھے ان آنسوؤں کا راز معلوم ہوگیا جسے حماس کے نعرے "بسم اللہ اللہ اکبر بسم اللہ قد حانت خیبر... خیبر خیبر یایھود ، جیش محمد سوف یعود " نے جاری کیا تھا ، میں نے محسوس کیا کہ میں نے جیش محمد میں اپنی روح سے ملاقات کی ، جس کے علمبردار میری اور میرے بھائی ابناء حماس کی صورت میں لوٹ آئے ہیں ، جو اب حماس کے سپاہی بن چکے ہیں ، یا اللہ، میرا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا جو اکثر میری نیندیں اڑاتا رہا اور میرے بستر کو بے آرام کرتا رہا ، میری آنکھوں میں آنسو جم گئے تھے اور بہنے کو تیار نہیں تھے، اور میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے جو میرے اور میرے نفس کے درمیان ہے ؟ میری رگوں سے میرے خون کی ہر بوند سے جواب آیا کہ آج کچھ اور درکار ہے، جو آنسوؤں کے علاوہ ہے آنسوؤں سے زیادہ قیمتی ہے ، کوئی اور چیز ہے ، ارض مقدسہ جس کا مطالبہ کرتی ہے ، پاکیزہ مٹی جس سے عشق کرتی ہے ، کوئی اور چیز ہے ۔

ہم صبح سویرے ہی نکل پڑے تاکہ ہم تصادم اور مڈ بھیڑ کے ایک طویل دن کی تیاری کریں ، ہم نے گاڑی کے ٹائر تیار کیے جیسے کہ پتھر کی پہاڑی ہو ، ہم نے خالی ڈرم اور بڑی مقدار میں پتھر

اکٹھے کیے ، جیسے ہی سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی، ہم نے یہ سب کچھ سڑک پر پھینک دیا ، سرخ شعلے بلند ہونے لگے اور گہرے سیاہ دھوئیں کے بادل آسمان پر مقدس انتفاضہ کی تصویر بنانے لگے ، یہ واقعہ تقریباً شارع صلاح الدین پر نخلات المنتزہ اور منارہ السنافور کے درمیان پیش آیا ، اچانک قابض فوج کی گاڑیاں قریب آگئی ، اور فوجی پیدل چل کر آگے آنے لگے اور اپنی بندوقیں ہماری طرف تان کر نشانہ سادھا اور گولیاں چلانے لگے ، ہم دیواروں، ڈرموں اور بجلی کے کھمبوں کے پیچھے چھپنے لگے ، اور ہمارے کنکر کے پتھر ان پر بارش کرنے لگے انہوں نے حواس باختہ ہو کر ہزاروں گولیاں چلائیں اور درجنوں گیس کے بم پھینکے، ہمارے چھوٹے چھوٹے حلق (گلوں) سے نعرۂ تکبیر آسمان کی بلندیوں میں گونج رہا تھا ، میں نے اپنی کمر زمین سے ملا لی ، یا اللہ، یہ میرا خون بہہ رہا ہے جو برکت والی زمین کو سیراب کر رہا ہے ، تو یہ ہے وہ جو تم آنسوؤں کے عوض مانگتے ہو ، ان کی پلاسٹک کی ایک گولی مجھے لگی اور کمر میں پیوست ہوگئی ، میں نے اشرف، حماس، اور فلسطین کے درمیان محبت و اتحاد کی رعنائی و خوبصورتی محسوس کی ، اور میرے ارد گرد سب سے خوبصورت نغمہ گونج رہا تھا جس کو میں نے گولیوں کی تال پر سنا تھا ، یہی ہے حماس کا نغمہ " بسم اللہ اللہ اکبر بسم اللہ قد حانت خیبر " مجھے محسوس ہوا کہ زخم مجھے تکلیف نہیں دے رہا بلکہ مجھے خوشی، شان و شوکت اور خوبصورتی کا احساس دے رہا ہے ، میں چاہتا تھا کہ میرا خون مزید سے مزید بہے تاکہ پاکیزہ پیاسی زمین کو سیراب کر سکے ، میں کچھ دیر کے لیے ایک قریبی گھر میں چھپ گیا، پھر مجھے ہمارے گھر لے جایا گیا ، جہاں زخم کو عارضی طور پر باندھا گیا ، اور عصر کے وقت مجھے پرائیویٹ ہسپتال لے جایا گیا جہاں انہوں نے میری کمر سے گولی نکالی اور ضروری علاج کیا ، ہم نے عادت بنا لی تھی کہ حماس کی وردی پہنیں، اپنے سروں پر نقاب ڈالیں، اور شام یا فجر سے پہلے نکلیں تاکہ دیواروں پر نعرے لکھیں یا دن کی جھڑپوں کی تیاری کریں ، میں حماس کے قافلے میں شامل ہوں، اس کی وردی پہنتا ہوں ، اپنے سر پر اس کا نقاب پہنتا ، اور اس کا نشان بلند کرتا اور قرآنی پرچم بلند کرنے کی خاطر خطرہ مول لیتا ، لیکن میرے علاقے کے مخصوص حالات کی وجہ سے میں مخصوص یونیفارم پہننے اور گنجان آباد علاقوں میں ہونے والے عوامی مظاہروں میں شامل ہونے سے محروم تھا ، جیسے کہ خیموں میں ہوتا ہے ، میری خواہش تھی کہ میں ان دستوں میں شامل ہوں جو مخصوص یونیفارم پہنتے ہیں اور فوجی انداز میں ان علاقوں کی سڑکوں پر احتجاج کرتے ہیں ، جس وقت میں اپنے ان بھائیوں کی باتیں سنتا جو یہ سب کر سکتے تھے تو میرے اندر ایک کپکپاہٹ طاری ہوجاتی اور اور حسرت میرا

احاطہ کرلیتی ، ہمارے علاقے کی نوعیت ہمیں رات کو کام کرنے پر مجبور کرتی تھی کیونکہ ہمارا علاقہ مرکزی سڑک کے قریب تھا اور سڑکیں کشادہ تھیں اگر کوئی اچانک مسئلہ پیش آجائے تو چھپنا یا پناہ لینا آسان نہیں تھا ، لیکن ہمارا سادہ لباس اور نقاب مجھے کچھ حد تک وہ خوشی دیتے جس کی میں خواہش و تمنا کرتا تھا ، جب میں لباس پہنتا، نقاب سر پر رکھتا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ کام کرتا ، نعرے لکھتا، رکاوٹیں تیار کرتا، یا کچھ اور تو مجھے اس زمین سے وابستگی محسوس ہوتی جسے ہمارے اجداد، انبیاء، انبیاء کے پیروکار ، شہداء ، صالحین اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے خون نے سیراب کیا ہے ، میں گہرے تعلق اور وابستگی کو محسوس کرتا اور مجھے ذہن و خیال میں گردش کرنے والے سوالوں کے تسلی بخش جوابات مل جاتے ۔

ایک روز ہمیں جلد صدا دی گئی ، ہمیں ایک خبر ملی جس نے ہمارے ہوش و حواس اڑا دیے ، ہم نے اپنا لباس اور سامان پہن لیا اور فوراً سڑکوں پر نکل آئے ، ہر جگہ زمین شعلوں سے بھڑک اٹھی ، یہ ان نادر مواقع میں سے ایک تھا جب ہم نے دن کے وقت لباس اور نقاب پہنا ، لیکن معاملہ خطرناک ، سبب ذہول ، حیران کن بلکہ رلا دینے والا تھا ، ہمیں خبر ملی تھی کہ شیخ احمد یاسین اپنی قید میں شہید ہو چکے ہیں ، دل دھڑکنے لگے اور نقابوں کے نیچے سے آنسو بہنے لگے ، شیخ کے اپنے رب کے پاس جانے کے بعد ہمیں جوش و جذبہ عطا کر گئے تھے اور ہمارے دلوں میں پاک زمین سے وابستگی اور پاکیزہ مٹی سے عشق کا شعلہ بھڑکا گئے تھے ، یہ ایک عجیب و غریب اور شدید دن تھا جس کی مثال میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی ، شام کو میں نے اور میرے علاوہ دیگر حماس کے جانبازوں نے سکون کا سانس لیا جب ہمیں معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اور ہمیں سمجھ آیا کہ ہماری حرکت کتنی خطرناک تھی، کیونکہ قابض میڈیا اس بات کی تصدیق کرنے میں لگا تھا کہ شیخ زندہ اور صحت مند ہیں ، میں نے کہا کہ میں شیخ کے لیے عظیم محبت اور انتہائی قدر و احترام رکھتا تھا، یہاں تک کہ حماس کا سپاہی بننے سے پہلے بھی ، اور میں نے کہا کہ میں شیخ کے نام کو سن کر کچھ ایسا محسوس کرتا تھا جیسے کسی مقدس ہستی کا ذکر ہو ، یہ جذبات دن بدن بڑھتے گئے ، جب میں شیخ کا نام لکھتا جنھوں نے پاک زمین کی محبت اور عظمت کی بلندی خیالی کو پروان چڑھایا تو مجھے بہت خوشی ملتی ، میں خود کو مجبور پاتا کہ دیواروں پر اسپرے سے لکھنے کے دوران کچھ اضافی اور ضروری الفاظ لکھوں جو مجھے شدید اور لازمی ، بھیانک اور سخت وغیرہ محسوس ہوتے تھے ۔

جب میں اپنے بھائیوں کے ساتھ باہر جاتا تو ہم تبلیغ کی عدالت میں حاضری کے دن مظاہرے کے لیے لوگوں کو بلاتے ، یہی وہ چیز تھی جو مجھے مستقبل کی تصویر دکھاتی تھی ، ایک دن میرے گروپ کے ایک رکن کو دیواروں پر نعرے لکھتے ہوئے دشمن کی فوج نے پکڑ لیا ، تفتیش کے دوران ہمارے گروپ کے بارے میں کچھ معلومات سامنے آئیں اور گروپ کے اراکین کو گرفتار کر لیا گیا، سوائے میرے ، میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اللہ کی حکمت میرے لیے کچھ اور تھی اور اللہ نے مجھے چنا کہ میرے سینے پر جہاد کا تمغہ اور میرے ماتھے پر شہادت کا نشان ہو۔

تیسری فصل : خون خون کا مطالبہ کرتا ہے

میں یافا میں ایلومینیم کے گودام میں اپنے معمول کے کام میں مگن تھا جہاں میں کچھ عرصے سے کام کر رہا تھا ، یہ ایک نئے کام کے ہفتے کی صبح تھی، اتوار 20 مئی 1990 اتوار کی صبح جب مجھے ایک ہولناک قتل عام کی خبر ملی ، خبریں واضح اور مکمل نہیں تھیں، لیکن میں نے یہ سمجھ لیا تھا ، ایک یہودی نے اپنی خودکار بندوق کی گولیاں عرب مزدوروں کے ایک گروپ پر کھول دی تھیں جو عیون قارہ کے علاقے میں مزدوروں کی انتظار گاہ میں موجود تھے، جسے انہوں نے عبرانی نام (ریشون لیتسیون) یعنی اول صیہونی کا نام دیا تھا ، کیونکہ یہودیوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو ہمارے خلاف جاری سست رفتار قتل و غارت سے مطمئن نہیں ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ موت تیز تر ہو اور چند لمحوں میں میرے کئی بھائی ان کی نفرت انگیز گولیوں کا شکار ہو کر شہید ہو جائیں ، صرف اس لیے کہ وہ اپنے بچوں کی روزی روٹی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں ، وہ اسے درندے کے جبڑوں سے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں ، وہ اپنے ہاتھوں اور دانتوں سے کووں اور الّووں کے درمیان سے، خون چوسنے والوں کے ناخنوں اور دانتوں کے درمیان سے چھڑاتے ہیں ، جب یہی معاملہ ہے تو ان کا کیا جرم تھا ؟ اور ان کا وہ کون سا قصور تھا جس کی سزا انہیں موت ملی ؟ میں یقیناً جانتا ہوں کہ ان سب نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی سزا موت ہو، کیونکہ میں بھی ان مزدوروں میں سے ایک ہوں جو قابض کے کارخانوں، کمپنیوں اور ورکشاپس میں بکھرے ہوئے ہیں، اس کی ریاست کی تعمیر کر رہے ہیں اور روزی روٹی کی تلاش میں اس کی تہذیب کی بنیاد رکھ رہے ہیں ۔

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں کبھی کسی انسان کا خون بہانے میں شریک ہوا ہو یا اسے زخمی کیا ہو،

چاہے وہ عرب ہو یا یہودی ، حالانکہ جب سے انہیں ہماری پاکیزہ زمین نے جانا ہے، تب سے انہوں نے جو کچھ کیا وہ کیا ، یہی ان کا جرم تھا، ہاں، وہ ایک ایسی قوم کے لوگ ہیں جو قبضے کو مسترد کرتے ہیں اور احتجاج کرتے ہوئے اپنی سرزمین پر عزت اور وقار سے جینے کے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان سیاسی حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں جو دنیا کی تمام اقوام کو حاصل ہیں ، لیکن خون بہانے کی خواہش ایک بنیادی فطری صفت ہے ، یہودیوں کی نفسیات میں لوگوں سے نفرت ،زندگی سے نفرت، حق سے نفرت (بھری ہوئی ہے) یہ ایک ایسی قوم ہے جو زندگی کے لائق نہیں، ہاں، زندگی کے لائق نہیں، یہ زندگی کی دشمن ہیں، انسانیت کی دشمن ہیں، یہاں تک کہ اپنی ذات کی بھی دشمن ہیں ، یہ خیالات میرے ذہن میں گردش رہے تھے دراں حالیکہ میں نے قتل عام کی خبر سنی اور خونِ سوزاں میرے دماغ کی طرف چڑھ گیا ، مجھے محسوس ہوا کہ میرا سر پھٹ پڑے گا ، خون میری رگوں میں کھول رہا تھا ، میرے پاؤں مجھے سنبھالنے کے قابل نہیں رہے تھے اور میری یادداشت میں ایک طویل یادوں کی طویل رِیل چلنے لگی، جس کی ابتدا اس ہجرت سے ہوئی جس پر میرے دادا کو بئر السبع میں ایک پیر چھوڑ کر مجبور کیا گیا ، وہ گھر جو اڑا دیا گیا ، دادی کی وہ ساعت جس سے وہ محروم کردی گئی ، روزانہ میرے اہل و عیال پر گرنے والے وہ ہزاروں گیس کے بم ، ہر قسم کی لاکھوں گولیاں جو میرے بھائیوں کے اعضاء میں پیوست ہوتی ہیں، اور میری قوم بیدار وطن کے ہر گلی کوچے میں پھیلی ہوئی اپنے آزاد اور باوقار زندگی کے حق کا مطالبہ کر رہی ہیں ، وہ سیاہ تھپڑ جو اس پولیس والے نے مجھے شبیرا میں مارا تھا، گاڑی سے کچلنے کی کوششیں، روزانہ کی بنیاد پر ان کے تمام تر قزاقی واقعات، اور ان کی ریاست کا ہمارے خلاف منظم اور منصوبہ بند دہشت گردی اور قتل و غارت کا پروگرام جو وہ روز بروز کرتے ہیں ، چند سیکنڈز تک پنہاں یادوں کی طویل ریل میرے دل و دماغ میں چلتی رہی ، جب کہ میں اپنے پاس موجود ایک کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا ،میرے اردگرد وہ ہنس رہے تھے ، چائے اور کافی پی رہے تھے ، انتہائی خوشی سے قہقہے لگا رہے تھے ، وہ تلخ یادیں جو میرے ذہن میں نقش ہیں ہرگز ختم نہیں ہوں گی ، جیسے ہی کوئی منظر میرے ذہن و خیال کے سامنے تیزی سے جست لگاتا ہے تو یادوں کے چشمے بہہ پڑتے ہیں کچھ منظر میرے ذہن میں بار بار آتے ہیں ، ان مناظر میں سے ایک منظر ہر روز کئی بار میرے خیال میں ابھرتا ہے ، وہ کئی بار جست لگاتا ہے ، اور میں اس منظر کو آنکھوں کے سامنے گردش کرتا دیکھتا ہوں ، جس وقت میں ان کی مسلح فوجی گاڑیاں یا بکتر بند گاڑیاں دیکھتا ہوں، جن سے فوجیوں کے خود (ہیلمیٹ) اور بندوقوں کی

نالیاں دکھائی دے رہی ہوتی ہیں ، یا جس وقت میں ان کی گاڑیوں کے انجنوں کی آواز سنتا ہوں جو دن رات محلے کی گلیوں میں گشت کرتی ہیں ، خوف کے ذریعے خاموشی کو صبح نو تک پارہ پارہ کرتی رہتی ہیں ، یا جس وقت میں انہیں اپنے سامنے سپاٹے بھرتے دیکھتا ہوں ، یا پھر جس وقت میں ان کی فوجی وردی کا رنگ دیکھتا ہوں، یا جس وقت میں ان کو اپنے فکر و خیال کے روبرو ہماری اس وسیع زمین پر جسے وہ اسرائیل کہتے ہیں ، لطف اندوز ہوتے ہوئے ، موج مستی کرتے ہوئے ، ہنستے مسکراتے اور زندگی بتاتے ہوئے بستے اور اور تعمیر کرتے ہوئے دیکھتا ہوں ۔

یہ منظر میں نے پہلی بار ٹیلی ویژن پر مسجد اقصیٰ کے قتل عام کے بعد دیکھا تھا، جب فوجیوں نے ہمارے لوگوں کو نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں داخل ہونے سے روکا تھا ، لوگوں نے مزاحمت کی، تو فوجیوں نے انہیں دھکا دیا، ایک بزرگ شخص کو دھکا دے کر زمین پر گرا دیا، وہ زمین پر لڑھک رہے تھے اور پکار رہے تھے " مسجدنا ہماری مسجد" یہ منظر کہ بزرگ کا مسجد اقصیٰ کے دروازے کے سامنے زمین پر لڑھکنا اور سسکیاں لیتے ہوئے " مسجدنا ہماری مسجد" کہنا، جگر و نظر کو پارہ پارہ کر گیا ، اس دن میں دردِ دل کو سمجھا ، یہ الفاظ میرے کانوں سے گولی کی طرح گزرے اور میرے دل کی گہرائیوں میں آگ، راکھ اور منجمد آنسو بن کر ٹھہر گئے ، آنسو میری آنکھوں سے بہنے کو تھے، میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ پہلے ہی منجمد ہو چکے تھے ، وہ جم گئے اور جلتی آگ بن گئے جو مسجد اقصیٰ کے قتل عام میں کوہ آتش فشاں بن بھڑک اٹھی تھی ، میں نے دنیا کے بارے میں سوچنا شروع کیا ، ایک منطق و جدید طریقہ کار میری رگوں میں گردش کرنے لگا ، جو کچھ تھا وہ کچھ اور بن گیا ، کئی دسیوں مناظر ہر روز میرے دل میں اچھلتے مچلتے ، جب میں صرف ان کی زبان سنتا ہوں، جب میں عبرانی سنتا ہوں، جب میں ان کا کوئی لفظ سنتا ہوں، تو میرے دل و خیال میں شہداء کے بکھرے اجسام اور زخمیوں کی تصاویر، عیون قارہ اور مسجد اقصیٰ کی مقدس پاکیزہ سرزمین کے شہداء کی تصاویر میرے دل و خیال میں گردش کرتی ، میرے ذہن و خیال میں اس بوڑھے شخص کی تصویر ابھرتی جو زمین پر لڑھک رہا ہے اور اس کے الفاظ " مسجدنا ہمارا مسجد" میرے دل کو چیر کر رکھ دیتے ، مزید اسے آگ کے شعلے پارہ پارہ کردیتے ، سپاہیوں کی وہ تصاویر جو ہماری ماؤں کو دھکا دے رہے ہیں اور انہیں طمانچے رسید کر رہے ہیں، ان کی وہ تصاویر جس میں ہماری ہڈیاں توڑ رہے ہیں، ان کی وہ تصاویر جن میں میرے بھائیوں کو زندہ درگور کر رہے ہیں، بے شمار و لاتعداد تصاویر ہیں ، ایسے بہت

سارے واقعات و حادثات میرے سامنے ہیں جو میری زندگی کی سوچ کو تشکیل دیتے ہیں یا ان حادثات کی تشکیل میں شریک ہوتے ہیں ، یہ ان عوامل میں سے ایک تھا جس نے میری نئی فہم، میری نئی نفسیات اور زندگی کو سمجھنے کی منطق کو تشکیل دیا ایک اور عامل تھا جو اس عامل کے ساتھ مل کر اس تشکیل میں شامل ہوا، ایک نئی تفہیم جسے میں نے جذب کیا اور جس سے میں سیراب ہوا جس کے ذریعے میری روح اور وجود رنگین ہو گئے ، پھر میرے خون میں مل کر میرے وجود کا ایک اہم حصہ بن گیا ؛ بلکہ یہ میرا وجود ہی بن گیا ، یہی وہ فہم و سمجھ تھی جو میں نے (حماس) میں اپنی رکنیت کے بعد حاصل کی، یہاں تک کہ حماس میں شمولیت سے پہلے، میں نے خطے میں انتفاضہ کے حقیقی پہلو کو نہیں سمجھا تھا ، میں اس دشمنی کے صحیح معنی نہیں سمجھتا تھا جو دشمن ہمارے لیے رکھتے تھے ، نہ ہی اس جنگ کو سمجھتا تھا جو وہ ہمارے خلاف ہر طرح کی درندگی اور کسی شفقت و رافت کے بغیر جاری رکھے ہوئے تھے ، میں چیزوں کے حقیقی معنی نہیں سمجھتا تھا، اس لیے میں سوال کرتا تھا مثلاً : اس درندگی اور خوں ریزی کے ساتھ انتفاضہ کے مقابلے میں یہ جرائم کیوں ہیں ؟ یہ گرفتاریاں کیوں ہیں؟ یہ پالیسیاں کیوں ہیں جو انسانی وقار کے ادنی احساس کے ساتھ بھی مطابقت نہیں رکھتی ؟ وہ ہمیں ہمارے کم سے کم حقوق کیوں نہیں دینا چاہتے؟ مثلا وہ غزہ میں کیوں رہنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے کیوں جان لڑا رہے ہیں؟ اب میں نے ان سوالات کے حقیقی جواب پالیے ، نہ کہ ان سوالات کے ، یہ سوالات اور ان جیسے لاکھوں سوالات اب میرے لیے دور سے ہو یا قریب سے (خواہ کسی بھی جہت سے ہو) اہمیت نہیں رکھتے ، بلکہ وہ ایک ہی سوال ہے وہ یہ ہے : ہم ان سب کے پیچھے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے اس سوال کا حقیقی جواب اس دن حاصل کیا جب میں نے حماس میں شمولیت اختیار کی، اس کی وردی پہنی، اس کا نقاب اپنے سر پر رکھا، اور اس کا نام اپنے دل کی دیواروں پر رنگ سے نہیں بلکہ نور سے نقش کیا ، میں خیال کرتا تھا کہ ہم ان پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ وہ غزہ اور مغربی کنارے سے نکل جائیں اور ہم ان کی فوج اور خفیہ ایجنسیوں کی دہشت سے سکون و آرام کے ساتھ زندگی گزار سکیں ، میں تصور کرتا تھا کہ ہم امن اور چین و سکون کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، اور آج میں نے یہ جان لیا کہ جو ہم چاہتے ہیں وہ کچھ اور ہے وہ کچھ اور ہے ، وہ وہ ہے جو ہمارے حماس کے دستور "قرآن" کے فہم نے ہم پر فرض کر دیا ہے ، اس وقت میں نے ان کی بربریت، ان کے جرائم، ان کے قتل عام کا راز جان لیا ، یہ تہذیب کی جنگ ہے، یہ عقیدے کی جنگ ہے، مقدر کی جنگ ہے ،میں نے یہ جان لیا کہ ہم ایک ایسی قوم کا مقابلہ کر رہے ہیں جو

باقی لوگوں جیسی نہیں ہے، ایک ایسی قوم جن کو ہر قسم کے لوگوں سے احساس برتری کے خیال نے اندھا کر دیا ہے ، ایک ایسی قوم جو خود کو ایک الگ مخلوق سمجھتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور خدا انہیں بھی عذاب نہیں دے گا ، انہوں نے خود کو خدا کی چنیدہ پسندیدہ قوم سمجھا، انہوں نے سمجھا کہ غیر یہودیوں کے معاملے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہے، اس لیے ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ غیر یہودیوں کو قتل کر دیں، کوئی جرم نہیں اگر وہ غیر یہودیوں کو لوٹ لیں، اور ان کے نزدیک مخلوق، بلکہ پوری مخلوق کا خون چوسنے میں کوئی حرج نہیں ، میں نے ان لوگوں کی فطرت کو جان لیا جنہوں نے کہا : إِنَّ اللهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ " اور کہا : " يد الله مَغلُولَة " کاش کہ معاملہ اللہ کی مخلوق یا انبیاء پر زیادتی کرنے پر ہی رک جاتا، مگر بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ رب العالمین کی بھی گستاخی کر بیٹھے حالانکہ کہ وہ محسوس کررہے تھے کہ وہ رب العالمین کی گستاخی کر رہے ہیں ، جب وہ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں تو پھر ہم اقلیتی مغلوب قوم کے بارے میں ان کا نظریہ کیسا ہوگا؟ میں نے ان نگاہوں کا راز جان لیا تھا جو میری اور میرے ہزاروں مزدور بھائیوں کی طرف اٹھا کرتی تھیں ، یہ صرف آقا کی غلاموں پر نظر نہیں تھی اور نہ ہی انسان کی جانوروں پر نظر تھی ، مجھے ان نگاہوں کا راز سمجھ آگیا تھا ، پورے مقبوضہ فلسطین میں محنت کا خون چوسنے ، پسینے کی کمائی چوری کرنے ، کام کے مسلخ (مذبح) میں کھال سے محروم کرنے کی کوششوں کا راز میں جان گیا تھا، جس کا سامنا مجھے اور روزانہ ہزاروں لوگوں کو کرنا پڑتا تھا ، میں نے دنیا کے عرب ممالک پر نو آبادیاتی قبضوں کے بارے میں سنا تھا اور اسکول کی تاریخ کی کتابوں میں کچھ اس کے بارے میں پڑھا تھا، لیکن مجھے نہیں لگا کہ دنیا کی کوئی اور قوم ان کی طرح محسوس کرتی ہے یا ان کی فکر و شعور کے ساتھ جیتی ہے ، جرمنی کے نازی، اٹلی کے فاشسٹ، انسان کے گوشت کھانے والے، وہ ایسے نہیں ہیں ، یہ لوگ تو بالکل جداگانہ ہیں، دیگر کچھ بالکل مختلف ، کمیونسٹ خدا کے وجود کو نہیں مانتے، لیکن وہ خدا پر بخل یا غربت کا الزام لگانے میں ان سے زیادہ گستاخ نہیں ہیں ، یہ کیسے لوگ ہیں جو خود کو خدا سے بھی برتر سمجھتے ہیں! اور یہ کیسی نسل پرستی ہے جس میں وہ زندگی جیتے ہیں ، یا جو ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے ، ان تمام سوالوں کا جواب معلوم ہے ، بلکہ ان سوالات کے منطق پر سوچنے کا بالکل بھی کوئی جواز نہیں رہا ، میرا سر حماس کے ان تصورات کے زیر اثر پختہ ہوچکا ہے جو میں نے اور میرے بھائیوں نے اس مومن دستے میں قرآن کی محفلوں میں مسجد السدرة، الایبکی، ابن سلطان ابن مروان ابن عثمان الدار قطنی میں اور ہماری تمام مساجد میں انبیاء

کی سرزمین فلسطین میں حاصل کیے ، میرا دماغ پکنے لگا اور اس کی پختگی کی رفتار بڑھ گئی، اسے ان مناظر نے پختہ کردیا ہے جو میری نظروں کے آگے ہر حادثے کے سامنے تیزی سے ابھر آتے ہیں، اور ان چیزوں نے جن میں ہر دن ان نئی خونریز اور انسانیت سے نفرت کے نت نئے مناظر کی کوئی نہ کوئی تصویر شامل ہوتی ہے ، ایک نیا طرزِ فکر میرے دل میں تشکیل پانے لگا، ایک نیا دماغ جسے میں اپنے سر کی خالی جگہ پر قابض محسوس کرتا ہوں، ایک نیا دل جو میرے دل پر قابض ہوگیا ہے ، ہاں، ایک نیا جو دل میرے دل پر قابض ہو گیا ہے ، کیا میں خونخوار یا مجرم بن گیا ہوں؟ کیا میں سادی ازم کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہوں؟ کیا مجھے جنون کا بخار چڑھ گیا ہے؟ بہت بار میں نے سوچا حالیکہ میں اس عقل کو محسوس کرتا ہوں جس نے میرے دماغ پر قبضہ جمالیا ہے اور اس دل کو جو میرے دل سے دست و گریباں ہوچکا ہے ، کیا میں انسان کے تئیں بغض رکھنے لگا ہوں؟ کیا میں انسانیت سے نفرت کرنے لگا ہوں؟ نہیں، میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو اسے سارے ہی انسانوں کے لیے بھلائی کی محبت سے آباد پایا ، میں نے اسے خیر و بھلائی کے حقیقی پاکیزہ اچھے جذبات سے لبریز پایا ، انسان کی محبت میں، زمین کی محبت اور زمین پر موجود ہر چیز کی محبت میں ، ہر انسان کے لیے سعادت مندی کی محبت میں، میں نے بار بار اپنے دل کو ٹٹولا کہ کہیں میں کسی نفسیاتی بیماری کا شکار تو نہیں ہوگیا جو مجھے تشدد اور طاقت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دے ! تو میں نے ہمیشہ اسے انسانیت ، زندگی، انسان ، زمین کے لیے ، آباد ، تر و تازہ پاکیزہ دل پایا اور میں نے سمجھا کہ زندگی کی محبت، انسان کی محبت، زمین کی محبت کا مطلب موت سے نفرت کرنا ، وحشت سے عداوت رکھنا ، زندگی کے دشمنوں ، انسان کے دشمنوں، زمین کے دشمنوں سے بیر رکھنا ہے ،مجھے اس عظیم اخلاقی معنی کا علم ہوا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کو مشروع کیا ہے ، اور مومنوں کو قتل و قتال اور اس کے راستے میں موت کی تلاش پر ابھارا ہے ، اس اعلیٰ و ارفع معنی کے لیے وہ مجاہدین تاریخ کے آغاز اور رسالتوں کے آغاز سے ہی نکل پڑے جو شیطان اور اولیاءِ شیطان سے لڑتے رہتے ہیں اور انہیں قتل کرتے رہتے ہیں اور بھی کبھار ان کے ہاتھوں مر بھی جاتے ہیں ،پھر وہ اپنے رب کے پاس عظیم شہید اور صدیق بن کر چلے جاتے ہیں ، انبیاء اور انبیاء کے پیروکاروں کا یہ پاکیزہ قافلہ، جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا اور انہیں چن لیا ، اور اللہ کے جھنڈے نے ان کو بلند کردیا ، انہوں نے اس اعلیٰ و خوشگوار اخلاقی معنی کو پیش کیا جو زندگی کے دشمنوں ، انسان کے دشمنوں ، آزادی کے دشمنوں ، ہر خوبصورت مخلوق میں موجود خوبصورتی کے دشمنوں کے قتال میں ہے ، خون کے پیاسوں ،

انسانی قزاقوں ، وہ بلند و بالا ارفع و اعلیٰ معنی خون چوسنے والوں ، انسانی قزاقوں ، ڈاکوؤں ، خون پسینے کی کمائی کے چوروں کے خلاف جنگ میں ہے ، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل و قتال کو عبادت بلکہ تمام عبادات کا سر قرار دیا ہے ،میں نے جان لیا کہ میرے اس مفہوم کے بڑھنے کے ساتھ یقیناً میں زندگی کے حقیقی معنی سمجھ رہا ہوں ، میں نے اس عجیب دھڑکن کے معنی کو اپنے دل میں زندگی کی محبت ، انسانیت کی محبت ، عزت کی محبت ، آزادی کی محبت کی صورت میں محسوس کیا، یہ نفرت زندگی، انسانیت، عزت اور آزادی کے ان دشمنوں کے خلاف ہے، جو صرف تاجروں، اسٹاک مارکیٹ کے دلالوں، راہزنوں، گینگ کے سربراہوں اور دہشت گردی کے منتظمین کی منطق سے سوچتے ہیں ،جس وقت میرا ذہن سوچ کی اس نشو نما کی طرف بڑھا تو میں نے یہ محسوس کر لیا کہ میں دہشت گرد نہیں ہوں ، میں وہ دہشت گرد نہیں ہوں جو بچوں اور عورتوں کو خوفزدہ کرتا ہے یا خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ، بلکہ میں وہ دستِ حق ہوں جس کے لیے مجرم کو خوفزدہ کرنا ضروری ہے ، میں نے یہ محسوس کیا کہ میں حق کا دفاع کرنے والا ہوں ، میں ان قصابوں کے خلاف لڑ رہا ہوں جو صرف قتل و غارت کے شوقین ہیں ، میں نے یہ محسوس کیا کہ میں بہت زیادہ حد درجہ رحم دل ہوں، نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ اپنے لوگوں اور خاندان پر بھی جو ہر روز قتل کیے جاتے ہیں، بلکہ پوری انسانیت پر بھی (مشفق ہوں) ، جب میں انسانیت کے دشمنوں کے خلاف ایسی سوچ اپنانے لگا تو مجھے اچھی طرح یہ احساس ہوگیا کہ میں اور میرے جیسے لوگ شفقت کے پیمبر اور انسانیت کے داعی ہیں ، جب ہم لوگوں کو انسانیت کے دشمنوں سے جو ، آزادی کے انسانیت کے عزت کے دشمن ہیں ، مخلوق کو غلام بنانے یا بے وقوف بنانے کے شوقین ہیں جن کو احساس برتری اور نسل پرستی نے اندھا کردیا ہے ، یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کے خلاف بھی گستاخی کرنے کی جسارت کرلی ، میں نے یہ جان لیا کہ تب تو ہم ایک مقدس جنگ لڑ رہے ہیں جس کی شرعی حیثیت ہمیں رب العالمین نے دی ہے، جس نے ہمیں اس کی اجازت دی ہے جو اس آیت میں ہے : أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِير " جی ہاں، ہم قتال کر رہے ہیں، بلکہ ہر روز ہم قتل ہوتے ہیں، ہمارے بچے تو ہماری ماؤں کے پیٹ میں ہی قتل کر دیے جاتے ہیں، ہماری عورتیں دن رات قتل کر دی جاتی ہیں، ہمارے مرد صرف اس لیے قتل ہوتے ہیں کہ وہ انسان کے عزت کے ساتھ جینے کا حق مانگتے ہیں ، ہماری یہ جنگ ان کے ساتھ پاکیزگی اور تقدس کی جنگ ہے، ہمیں اس کی ہمارے آقا و مولا زبردست طاقتور رب نے اجازت دی ہے، جیسے اس نے خیر الخلائق سیدنا محمد رسول اللہ

ﷺ کو پہلے دی تھی ، انہوں نے ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جب انہیں پایا کہ وہ لوگوں کی کھوپڑیوں پر تخت جمائے بیٹھے ہیں اور تبھی زندہ رہ سکتے ہیں جب انہیں روزانہ کی بنیاد پر بے بس لوگوں کے خون کی خوراک ملے، جیسے کہ وہ آج زندہ ہیں ، ہماری یہ لڑائی صرف زمین کے ایک قابض سے نہیں ہے، بلکہ خون چوسنے والے ، بچوں کا دودھ چوری کرنے والے انسانوں کا گوشت کھانے والے کے ساتھ بھی ہے، جو انسانی کھوپڑیوں پر جم کر بیٹھ گئے ہیں، لیکن یہ سب کچھ جدید صورتوں میں ہوتا ہے جو مختلف پردوں میں لپیٹنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی کبھی لوگوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی بے نقاب ہو جاتے ہیں ، یہ تصورات میرے ذہن میں پختہ ہونے لگے اور میرا ذہن بھی حماس کے تئیں میری سوچ و نشو نما کے ساتھ آہستہ آہستہ پختہ ہونے لگا ، باوجودیکہ میں ہر روز ان بدنما صورتوں کو دیکھتا ہوں جو اس کی تصدیق کرتی ہیں اور اسے ناقابل تردید ثبوت اور پختہ دلیل فراہم کرتی ہیں ، یہ حیرت کی بات نہیں تھی کہ فوری طور پر ہی یہ تصور میرے دماغ میں راسخ ہوگیا کہ میں عمل کے لیے تیار ہو گیا کیونکہ میں نے بچپن میں یہ سیکھا تھا جب میں روزانہ اسکول سے واپس آنے کے بعد چھاپے خانے میں کام کرنے جاتا تھا اور راستے میں اپنے لنچ کا سینڈوچ کھاتا تھا ، یہ حیرت کی بات نہیں تھی کہ میری نظریں ہر جگہ گھومنے لگیں جہاں میں گیا، راستے میں، کام پر جاتے ہوئے یا آتے ہوئے، ہر جگہ میں نے مناسب ہدف اور سب سے زیادہ مؤثر نقطہ تلاش کیا ، میں نے راستے میں تلاش کیا، ، حالیکہ کار مجھے کام پر لے جا رہی تھی، اور میں نے وہاں بھی جستجو کی حالیکہ میرے قدم یہاں وہاں لے جا رہے تھے ، میں نے جستجو کی مزید جستجو کی میں نے تلاش کیا اور آخرکار میں نے اپنے لیے سب سے موزوں اور ان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہدف پا لیا۔

شہری؟ کوئی حرج نہیں، ان کے پاس شہری نہیں ہیں ، وہ سب کے سب سپاہی ہیں جو ہتھیار اٹھاتے ہیں تاکہ وہ ہم سب کو قتل کردیں ، وہ ہم پر گیس بم پھینکتے ہیں تاکہ ، ہماری ماؤں اور مادر رحم میں موجود بچوں کا دم گھٹے ، وہ سب اسپتالوں پر دھاوا بولتے ہیں اور مریضوں اور زخمیوں کو زہریلی اور دم گھوٹنے والی گیسوں سے مارتے ہیں ، شہری ؟ یہ کیسی فضول اصطلاح ہے جسے وہ پھیلانا چاہتے ہیں تاکہ اپنے اندرونی محاذ کو محفوظ بنا سکیں ، جس پر ضرب لگنے سے انہیں سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے ، پھر یہ کون سے شہری ہیں جنھوں نے عیون قارہ میں میرے بھائیوں کو مار ڈالا ؟ یہ کون سے شہری ہیں جنھوں نے حبرون، القدس، نابلس اور غزہ کی ہر گلی میں

دہشت اور موت کو پھیلایا ؟ شہری ؟ یہ کون سے شہری ہیں جو میرا اور میرے بھائیوں کا خون چوس رہے ہیں، جو میری کھوپڑی اور میرے پیاروں کی کھوپڑیوں پر جم کر بیٹھے ہیں، اور ہماری زمین میں فساد، جرم اور بدکاری کو فروغ دے رہے ہیں؟ یہ کون سے شہری ہیں جو میرے دل اور میری بہن کے دل کو زہریلی اور قاتل منشیات سے جلا رہے ہیں، جن سے ہر انسانیت کا عاشق لڑ رہا ہے؟ یہ شہری ہیں جو میرے اہل و قوم میں بدکاری، جرم، غداری اور بے وفائی کو پھیلا رہے ہیں؟ یہ شہری ہیں جنھوں نے ہماری حرمتوں کو پامال کیا اور ہماری عزتوں کو مختلف طریقوں سے، ظاہری باطنی طور پر، پامال کیا ؟ شہری؟! ان بے معنی اصطلاحات کو چھوڑ دیجیے ، مجھے میرا ہدف مل گیا ہے ، ایک ایسی جگہ جسے میں اس جگہ سے زیادہ جانتا ہوں ، حشاشین ہماری زمین میں تقریباً دو سال تک رہے ، لیکن ہر چیز میں ان کی نسل پرستی نہیں تھی ، میں نے یہودیوں کی آنکھوں میں خود کے سوا ہر چیز کے خلاف نفرت دیکھی ، میں نے ان کی آنکھوں میں میرا خون، میرے بھائی ادہم کا خون، اور میری جماعت کے لوگوں کا خون چوسنے کی شدت دیکھی ، میں نے ان کے ناخنوں میں اپنے کندھوں اور اپنے بھائیوں اور میری جماعت کے لوگوں کے کندھوں کا گوشت دیکھا ، میں نے ان کے بھدی بھونڈے چہرے دیکھے جو اس خون سے بھرے ہوئے تھے جو انہوں نے میرے پسینے کو چوس کر ، میری ہڈیوں کو پیس کر بڑھایا تھا ، مجھے ہدف مل گیا اور میرے ذہن میں رفتہ رفتہ خیال پکنے لگا، اور ہر دن ، ہر واقعہ کے ساتھ ، میری خواہش میں بزور اضافہ ہوتا گیا ، ہر لمحہ یادوں کی رِیل میرے ذہن کے سامنے چلتی رہتی اور ایک کے بعد ایک تصویر آتی رہتی ، جو میری ہٹ اور اصرار میں اضافہ کرتی ، اور میرا سینہ ان بے گناہوں کے بدلے کی آگ سے بھڑک اٹھتا ، دل میں خیالات پک گئے ، لائحۂ عمل تیار کرلیا گیا ، اور میں نے نفاذ و کار روائی کا فیصلہ کر لیا ، مجھے ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوئی جو میرا ساتھ دے اور میری کمر مضبوط کرے ، اور اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں، کیونکہ اس کی اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے رب سے یہ خواہش کی تھی : و اجعل لي وزيرا من أهلي هارون أخي اشدد به أزري و أشركه في امري " مجھے اس ساتھی کی تلاش میں زیادہ دیر نہیں لگی، کیونکہ میں نے شروع سے ہی بھائی مروان الزایغ کو پالیا تھا ، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ، میں نے اسے دوسروں پر ترجیح محبت کی وجہ سے دی ہے جسے میں جانتا ہوں ، میری پہلی ٹیم کے افراد کے گرفتار ہونے کے بعد وہ میرے تحریک حماس کے ساتھیوں میں سے پہلا تھا جس سے میری شناسائی ہوئی تھی، وہ آیا اور مجھ سے رابطہ کیا جب اس نے مجھے نئ جماعت میں شامل کیا، کیونکہ

میں اپنے بھائیوں یعنی پہلی ٹیم کے ارکان کے درمیان واحد شخص تھا جو گرفتار نہیں ہوا تھا ، میں اکثر اس کے ساتھ تحریک کی وردی اور نقاب پہن کر نکلتا ، تاکہ ہم دیواروں پر دن یا رات میں نعرے لکھیں ، یا تاکہ ہم تحریک کی سرگرمیوں میں یہاں وہاں اپنا کردار ادا کریں ، میں نے مروان سے اس معاملے پر صاف گوئی کی، تو اس نے اس سے متاثر ہو کر تھوڑی دیر کے لیے انتظار کرنے کو کہا ، وہ غائب ہوگیا ، مجھے نہیں معلوم کہ اس نے اپنے ذمہ داروں سے رابطہ کیا یا نہیں ، کیونکہ وہ ہماری نئی ٹیم کا ذمہ دار تھا ، وہ واپس آیا تاکہ ہم اس بار عملی طور پر منصوبہ بندی شروع کریں ، اس نے چھریاں لانے کا ذمہ لیا اور اس نے مجھے اطمینان دلایا کہ وہ دونوں تیار ہیں اور بالکل اسی طرح جیسا میں چاہتا ہوں ، ہم نے اس کارروائی کو انجام دینے کے لیے موزوں وقت کے انتخاب پر بات چیت کی ، سردیوں کا موسم قریب تھا اور کچھ ہی دنوں میں ہماری اس قائدانہ تحریک حماس کے شاندار آغاز کی سالگرہ تھی ، جس نے ہم میں مردانگی اور بہادری کو پروان چڑھایا تھا ، اس نے میری روح کو بام عروج پر پہنچایا تھا ، اس لیے مجھ پر لازم ہے کہ اس کے پرچم کی سربلندی کی خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کر دوں ، سبھی انگلیاں اس وقت کی طرف اشارہ کر رہی تھیں جس پر کوئی اختلاف نہیں تھا کہ ہم اس کام کو بطور تحفہ حماس کے تمام پیاروں اور پورے لہولہان فلسطین میں موجود پیاروں کو حماس کے آغاز کی یاد میں پیش کریں جو عظیم شاندار سالگرہ کا دن ہے ، یہ سالگرہ کی یاد دل میں بڑے اور عظیم معانی کو اجاگر کرتی ہے ، ضروری ہے کہ انسان اس کے ساتھ چند لمحات و لحظات ٹھہر جائے ۔

یہ مبارک آغاز واقعی فلسطینی قوم کی زندگی میں ایک اہم موڑ اور اس کی جدوجہد اور کوشش کی راہ میں ایک سنگ میل ثابت ہوا ، اس قوم نے ہمیشہ مشکلات کا سامنا کیا ، آگے بڑھی ، کشتم کشتا ہوئی ، قربانیاں دیں اور بغیر تھکے ماندے اپنے حقیقی پرچم کے علاوہ مختلف جھنڈوں تلے بہت تگ و دو کی ، جو اس کی تاریخ، ورثے اور عظمتوں کو گہرائی و گیرائی اور حقیقت و صداقت کے ساتھ پیش کرتا ہے ، اور یہ بابرکت آغاز کے ذریعے بنیادی طور پر اپنے مفہوم اور پہلوؤں کے ساتھ گہرائی کی طرف منتقل ہوگا ، اس میں واضح اور صریح اشارہ ہے کہ وہ وقت قریب ہے جب وہ تمام جھنڈے جو بغیر اللہ کی رہنمائی اور روشن دلیل کے بلند ہوئے تھے، نیچے آ جائیں گے ،یہ دوسرے وعدے کی بڑی فیصلہ کن خیرہ کرنے والی جنگ کے آغاز کی طرف اشارہ ہے ، جس کی خبر رب العالمین نے دی ہے اور جس کی خوشخبری رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی

ہے ، وہ معرکہ یہ ہے " فاذا جاء وعد الآخرة ليسوءوا وجوهكم و ليدخلوا المسجد كما دخلوه أول مرة و ليتبروا ما علوا تتبيرا "

ترجمہ : چنانچہ جب دوسرے واقعے کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کردیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں ، اور تاکہ وہ مسجد میں اسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے ، اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے ، اس کو تہس نہس کر کے رکھ دیں ۔

" لا تقوم الساعة حتى يقاتل المسلمون اليهود حتى يقول الشجر و الحجر يا مسلم يا عبد الله هذا يهودي ورائي تعال فاقتله "

ترجمہ : قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کریں، یہاں تک کہ درخت اور پتھر کہیں گے: اے مسلمان، اے اللہ کے بندے، یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، آؤ اور اسے قتل کرو"۔

بغیر کسی پردہ داری کے نہایت واضح طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مکار ریاست کے خاتمے کی شروعات ہوچکی ہے اور اس فاسد ریاست کا وقت عملی طور پر شروع ہوچکا ہے۔

جب ہماری اس حماس کا آغاز ہوا، تو یہ آسمانی پیغامات کے حقیقی وارثوں، انبیاء کے پیروکاروں، اور اس سرخ خون کے وارثوں جانبازوں کے قافلے کی روانگی کا اعلان تھا جس نے زمانے کی پیشانی پر فخر کے اعلیٰ نقوش چھوڑے ، یہ شہادت کے عاشقوں اور موت کے تخلیق کاروں کے آغاز کا اعلان تھا ، جنہیں ان کے دشمن اچھی طرح جانتے ہیں ، یہی لوگ کہ جن کے بارے میں موشے دیان نے جب ان کے دستے 1948 میں فلسطین میں داخل ہوئے تھے تو کہا تھا کہ یہ لوگ مرنے کے لیے آئے ہیں، جبکہ ہم جینے کے لیے آئے ہیں ، یہ ان بہادر مسلح اشخاص کا آغاز تھا جو صرف اور صرف موت کے لیے آئے تھے اور یہ آغاز اللہ تعالیٰ کے ہم کو نفیر و جہاد اور خروج کی صدا اور مقدس مقامات کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے آیا جو ظالم و جابر اور حاسد کے بوجھ تلے کراہ رہے تھے ، اس تشنہ زمین کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے آیا جو ہمیشہ تاریخ کے مدار پر پاک و پاکیزہ خون سے سیراب ہوتی رہی ہے اور اب اس کے لیے وقت آگیا ہے کہ وہ پھر سے توحید کے علم بردار انبیاء کے فرزندوں کے خون سے سیراب ہو ، یوم تاسیس کی یاد دل میں

عظیم معانی اور اہم ہدایات کو اشاروں اور اہمیت کے اعتبار سے ابھارتی ہے ، کیونکہ اس نے فلسطینی عوام کی زندگی سے بے مقصدیت ، انحصار اور بے مطلب کام کے دور کا خاتمہ کر دیا ہے ، یہ ایک مسلسل نیا مرحلہ شروع ہوگیا ، وہ حماس کا مرحلہ تھا ، یہ عظیم اسلام کا مرحلہ تھا جسے نیک لوگوں نے تھام لیا ،حماس کا آغاز ایک ایسا واقعہ ہے جو بڑے اسلامی وطن کے لیے اہمیت رکھتا ہے، اور ان تمام لوگوں کے لیے فخر کی بات ہے جو قسمت میں طے شدہ واقعہ کی ہدایات اور معانی و مفہوم کو سمجھتے ہیں، جو علاقے کے مقدر سے جڑا ہوا ہے اور آئندہ سالوں میں تنازع کی شکل و نوعیت کا تعین کرتا ہے۔

اس آغاز کی یاد میں، ان تمام لوگوں کے لیے ضروری ہے جو ان عظیم معانی کو سمجھتے ہیں، جنہیں میری روح، دل اور عقل نے محسوس کیا ہے اور میں ان کا اظہار نہیں کر سکتا، خواہ میں کتنی ہی فصاحت سے کام لوں ، وہ تمام لوگ جو اس خوشگوار معانی کو جانتے ہیں ان تمام لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس یادگار موقع پر تعظیم اور تکریم کے ساتھ کھڑے ہوں۔

اور جب ہم جانتے ہیں کہ ہمیں اس شاندار سالگرہ میں وقوف اختیار کرنا ہے، اس لئے ہمیں لازم ہے کہ ہم اس روح پرور تقریب کے موقع پر اپنی قربانیاں پیش کریں، اور اس بار خوشی کے موقع پر خون بہا کر شمولیت اختیار کریں ، میں اور میرا بھائی مروان ان معانی کی گہرائی اور عظمت کو سمجھ چکے تھے، اس لیے ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنی تحریک کے لیے اور اپنے ان بھائیوں کے لیے اور ابناء امت مسلمہ کے لیے آگے بڑھیں جو تحریک کے جھنڈے تلے ہیں اور اپنی اس سیر چشم عوام کے لیے جس کے سینے میں جوش و جذبہ بھڑک اُٹھا ہے اور وہ بلا التفات کے نکل پڑے ہیں ، تاکہ ان کی آنکھیں اس مشکل اور نازک محاذ پر کھل جائیں ۔

ان تمام کے لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اپنے ہدایا پیش کریں گے اور ہم اس بابرکت آغاز کے چوتھے سال کے پہلے دن کی فجر کی نماز کے بعد اپنی قربانیاں ذبح کریں گے ، ہم نے صبح کے وقت دن کے اوقات میں اپنے قربانیاں یعنی مسخ شدہ وجود اور جنسی زیادتی کے مجرموں کو خمیدہ سر ، خاب و خسر آنکھوں ،شکن آلود جبینوں کے سامنے ذبح کرنے کا فیصلہ کیا ،تاکہ زخمی فلسطین کے تمام عاشقوں کے دل جھوم اٹھیں، اور وہ تمام مظلومین ، اسیران ، سزا یافتگان اور زخم خوردہ افراد ، اور وہ لوگ جن کا خون چوسا گیا، جن کا خون پسینہ (کمائی) چرا گیا، اور جن کی ہڈیاں کچلی گئیں ، جب اس خوشخبری کو میڈیا دکھائے تو ان تمام لوگوں کے دل خوشی سے رقص

کریں ، پھر تمام لوگ کے تمام لوگ اس تحریک کی تعظیم اور تکریم کے ساتھ کھڑے ہوں، جس نے ہمارے اندر شجاعت ، خودداری اور وقار کو پروان چڑھایا ،پھر چاہیے کہ یہ ساری خبر ہمارے شیخ مجاہد تک ان کی زنداں میں پہنچے، تاکہ ان کی روح پائدار و مستحکم ہو ، حالیکہ وہ پر اعتماد ہیں کہ ان کے فوجی اللہ کی مدد اور اس کی تائید سے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں ، اور سب لوگ خواہی نخواہی اپنے سر جھکائیں ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بعد ہم ایک اچھی روایت و سنت کا دروازہ کھولیں جو کئی دنوں اور برسوں تک جاری رہے ۔

خلافِ عادت میں جمعرات کی شام 12/13 کو غزہ واپس آیا تاکہ آخری لمحات میں ضروری انتظامات کر سکوں اور ہم بیٹھ گئے تاکہ آخری مراحل پر متفق ہوں ، میں نے دن کے وقت اپنی واپسی سے پہلے گودام میں سب کچھ ترتیب دے دیا تھا وہاں میں نے ایسبیسٹس کا ایک تختہ توڑ دیا تاکہ کل میں ان میں سے کسی کو گودام کے آخر میں لے جاسکوں ، ان شاء اللہ ، ہم نے اپنی منصوبہ بندی کی تفصیلات پر اتفاق کیا اور اللہ کی حفاظت و برکت پر صبح کو دوبارہ ملنے کی امید کے ساتھ جدا ہوئے ، تاکہ ہم اپنی پہلی نوعیت کی مہم کا آغاز کر سکیں، اور وہ چیز جس کی ہم نے دل کی گہرائیوں سے امید کی تھی یہ کہ ہمارا راستہ فوری طور پر ہمیں جنت کی نعمتوں کی طرف عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور سچ کی مجلس میں لے جانا والا ہو ۔

میں بوقتِ سحر نسیمِ سحر کے ہمراہ ، عظمت ، حتمی نصرت ، اور واضح تائید کا خواب دیکھتے ہوئے بیدار ہوا ، گھڑی کی سوئیاں فجر سے پہلے تین بجا رہی تھیں ، میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنے ارد گرد دیکھا ، تاکہ یقین کر سکوں کہ میں واقعی بیدار ہو چکا ہوں اور میں حالتِ خواب میں نہیں ہوں ، میں نے اپنے اوپر کی چادر کو اپنے سے دور کرتے ہوئے ہٹایا اور جھٹ سے یوم مبارک کی تیاری کرنے کے لیے وضو کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا ، ایک عجیب واقعہ میرے ساتھ کئی دنوں تک پیش آتا رہا اور آج صبح بھی میرے ساتھ پیش آیا ، وہ یہ کہ میں نے قرآن کو کسی شئ معین (آیت ، سورہ)پر بغیر قصد کے کھولا ، تو ہر بار کی طرح، جیسا کہ آج صبح، میں اپنے سامنے سورہ توبہ پاتا ہوں، جس کی ابتداء بغیر بسم اللہ کے ہوتی ہے ، بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ .

ترجمہ : (مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن تمام

مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے ۔(توبہ)

میں اس کی آیات پڑھتا ہی رہا، پڑھتا ہی رہا... تو مجھے محسوس ہوتا رہا کہ اس میں موجود ہر چیز مجھے برانگیختہ کر رہی ہے... مجھے تقویت بخش رہی ہے ... میرے عزم و ہمت کو مضبوط کر رہی ہے... مجھے مزید از مزید قوت اور شدت سے دھکیل رہی ہے... " قاتلوهم يعذبهم الله بأيديكم ويخزهم وينصركم عليهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ .

ترجمہ : ان سے جنگ کرو، تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دِلوائے، انہیں رُسوا کرے ، اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مؤمنوں کے دِل ٹھنڈے کر دے۔(توبہ)

یہ الفاظ میرے دل و دماغ اور روح کی گہرائیوں میں گونج رہے ہیں " قاتلوهم.. قاتلوهم.. قاتلوهم... يخزهم.. يخزهم.. يخزهم.. ينصركم.. ينصركم .. ينصركم.. و يشف صدور قوم مؤمنين "

ان سے لڑو... ان سے لڑو... ان سے لڑو... انہیں ذلیل کرو... انہیں ذلیل کرو... انہیں ذلیل کرو... وہ تمہاری مدد کرے گا... وہ تمہاری مدد کرے گا... اور مومنین کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا " میں محسوس کرتا ہوں جیسے جبرائیل علیہ السلام ابھی اسی مناسبت سے ان آیات کو لے کر اتر رہے ہیں ، کیا ہی عجیب تقدیر الٰہی ہے ؟! کیا ہی عجیب دستور و اتفاقات ہیں؟!

میں نے سورۂ (براءت) کی آیات پڑھیں تو محسوس ہوا کہ وہ میرے سینے سے ان لوگوں کے لیے ہر طرح کی ہمدردی نکال رہی ہیں جو اس کے کسی بھی حصے کے مستحق نہیں ہیں... میں نے محسوس کیا کہ میرا رب مجھ سے کہہ رہا ہے : أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ .

ترجمہ : کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کروگے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا، اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں (پہل کی ؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو ؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اُس سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو ۔(توبہ)

اللہ مجھ سے کہہ رہا ہے : إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا

تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

ترجمہ : اگر تم کوچ نہیں کروگے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا، اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکوگے ، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۔(توبہ)

میں سمجھ گیا کہ یہ اتفاقی بات نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کی تقدیر ہے جو میری تائید کر رہی ہے... میری تصدیق کر رہی ہے... میرے ہاتھ مضبوط کر رہی ہے ، میں نے محسوس کیا کہ مجھے نہ صرف زمین پر اپنی تحریک یا قیادت سے بلکہ آسمان میں اپنے رب سے بھی منظوری اور تصدیق مل گئی ہے... میں نے اپنے رب کی کتاب پڑھی اور محسوس کیا کہ میرا رب اپنی مقدس کتاب کی آیات کے ذریعے مجھ سے بات کر رہا ہے ، میں نے قرآن کے صفحات کو بند کیا اور جو کچھ لینا تھا لے لیا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا جب میں نے اس کی کتاب پڑھی تو میرے رب نے مجھ سے بات کی اور میں نے اپنی نماز کے ذریعے اس سے بات کی ، میں نے اللہ کے لیے دو رکعت نماز پڑھنے کی نیت کی اور میں نے اپنے سجدے میں دعا کی... میں نے اپنے چھوٹے سے چھوٹے دل اور اپنے آسمان و زمین کو قائم رکھنے والے رب کے درمیان حقیقی تعلق کو محسوس کیا ، اور میں نے اسے گڑگڑاتے ہوئے پکارا اور کچھ بھی یاد نہیں کہ میں نے کن الفاظ میں اپنا سوال کیا، لیکن میں نے عاجزی کے ساتھ اس سے مدد طلب کی کہ وہ ہمیں طاقت عطا فرمائے، کہ وہ ہمیں وافر مقدار میں شکار عطا کرے، اور ہمیں اپنی راہ میں شہادت کا شرف عطا فرمائے، تاکہ ہم اپنے دن کو نبیوں، صدقین اور شہیدوں کے ساتھ جنت کے باغات میں گزار سکیں ، یہ لمحے انتہائی خوبصورت تھے ، میں نے ان لمحات میں اللہ تعالیٰ سے تعلق کی حلاوت کو چکھا ، اور محسوس کیا کہ میرا رب مجھے سن رہا ہے، میری ذات کو سن رہا ہے... مجھے سجدے میں گڑگڑا کر دعا کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے ، میری نماز مکمل ہوئی اور میں نے کمرے کے اطراف میں نگاہ ڈالی جسے میں دوبارہ ہرگز نہیں دیکھ سکوں گا... میں نے اسے الوداع کہا... گھر کے اطراف میں نگاہ ڈالی جہاں میرے اولیں قدم اٹھے تھے ، جہاں میں نے اپنا اولیں نوالہ کھایا تھا ، جہاں میں نے اپنا اولیں کلمہ کہا تھا ، میں نے اپنی آنکھوں سے اس میں موجود ہر چیز کو الوداع کہا ، میں نے اپنی والدہ کو جگایا تاکہ وہ میرے پیچھے دروازہ بند کرے یا تاکہ انہیں آخری بار دیکھ سکوں ، میں نے اس اسکول کو الوداع کہا جس نے مجھے سب کچھ سکھایا، اور محسوس کیا کہ الفاظ میرے منہ سے

نکلنے کے لیے بے تاب ہیں کہ ان سے دعا کی درخواست کروں ، مجھے خاص طور پر اپنی والدہ سے دعا کی بہت ضرورت تھی، لیکن میں نے الفاظ کو روکا اور انہیں واپس بھیج دیا ، کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ دعا کی درخواست میرے ارادے کو ظاہر کر دے گی اور میری والدہ میرے الفاظ کے ورے احساسات کو محسوس کر لیں گی ، میں نے اپنے جذبات کو اور اپنے سوال کو چھپا لیا، جیسا کہ مجھے 'حماس' میری درسگاہ اور میری تربیت نے مجھے سکھایا تھا، اور میں نے صرف آنکھوں سے الوداع پر اکتفا کیا... میں نے والدہ کو اپنی آنکھوں سے الوداع کہا... یا اللہ ! ہائے حالات کی سختی ! لیکن کوئی بات نہیں.. ان شاء اللہ، ہم جنات النعیم میں دوبارہ ملیں گے، اے میری پیاری رحم دل ماں ! الوداع، الوداع.. اور وہ چل پڑی تا کہ میرے پیچھے دروازہ بند کر سکے ، میں مروان کا سنافور کے قریب تقریباً ایک گھنٹے تک انتظار کرتا رہا، اور بلند و بالا سنافور مجھے اور میں اسے الوداع کہہ رہا تھا ، میں نے اس سے کئی سبق حاصل کیے ،یہ کہ وہ نہ جھکا، نہ سرکا نہ پیچھے ہٹا، اور وہ اپنی جگہ اٹل بلند و بالا ہو کر ثابت قدم رہا ، مروان روشن چہرہ، چمکتا ہوا اور جوش سے بھرا ہوا نمودار ہوا ، ہمارے لیے ضروری تھا کہ ہم اپنے سفر کا آغاز اس مسجد سے کریں جس نے ہمارے اندر جوش و جذبہ پیدا کیا تھا ، بہادری کو بھڑکایا تھا ، اور ہمیں اپنی مقدس و مبارک سرزمین سے محبت اور موت و شہادت کے عشق میں پگھلا دیا تھا ، ہم نے فجر کی نماز ادا کی ، مروان نے مجھے دو چھریوں میں سے ایک دی ، میں نے اپنے ہتھیار کا معائنہ کیا اور اسے مناسب پایا ،میں نے اسے اپنے سامان میں چھپا لیا اور مروان نے اپنی چھری اپنے سامان میں چھپائی ، ہم بس اسٹاپ کی طرف ، سینڈوچ کھاتے ہوئے، اور صلاح الدین کی ان خوشگوار یادوں کے ساتھ جو ہم نے بتائی تھی الوداع کہتے ہوئے روانہ ہوئے ، چھ بجنے کے قریب تھے ، اس وقت ہم مرسڈیز کار میں سوار ہوئے جو ہمیں محنت کش قوم کے افراد کے ایک گروہ کے ساتھ لے کر چل پڑی جو اپنے بچوں کے دودھ فراہمی کے لیے کوشش کرتے ہیں ،اور چاہیے کہ آپ بھی کوشش کریں کہ ان بچوں کے لیے سب سے اہم چیز، یعنی دودھ فراہم ہو تا کہ وہ آزاد اور باوقار زندگی بسر کر سکیں۔

مروان میرے ساتھ بیٹھا صبح کی ماثور دعائیں پڑھ رہا تھا اور میں ہر درخت، ہر دیوار، اور راستے کی ریت کے ہر دانے کو الوداع کہہ رہا تھا، اور کچھ نغمے گنگنا رہا تھا جو میں نے تب کیے تھے جب انتفاضہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی ، دشمنوں نے 1948 سے ہمارے لوگوں کے اپنے مقبوضہ علاقے میں داخلے پر حفاظتی انتظامات سخت کر دیے تھے، انہوں نے ایرز نامی چیک پوائنٹ پر

اپنے اقدامات بڑھا دیے تھے جہاں اندر اور باہر جانے والوں کی سخت جانچ کی جا رہی تھی، لیکن اللہ کی نگاہ ہماری حفاظت کر رہی تھی اور اس کی نگہبانی ہمیں محفوظ رکھتی تھی، چناں چہ ہم نے اس رکاوٹ کو بھی سلامتی سے عبور کر لیا اور راستے میں ایک اور رکاوٹ سے بھی محفوظ طریقے سے گزر گئے ، ہم گودام کے قریب پہنچ گئے جہاں ہم نے گاڑی روک دی ، اس کے بعد ہم نے اپنے پاس جیب میں موجود تمام پیسے جو ہمارے سفر کا کرایہ تھے جانے والوں کو دے دیے کیونکہ ہمیں واپسی کے کرایے کی ضرورت نہیں تھی ، ہم اس بارے میں رتی برابر سوچنا یا حرص پالنا بھی نہیں چاہتے تھے، بلکہ ہم دل سے چاہتے تھے کہ اس کی بالکل بھی ضرورت نہ پڑے ، ہم تقریباً پانچ منٹ تک چلے یہاں تک کہ گودام پہنچ گئے ، گھڑی میں سات بجنے والے تھے ، ہم فٹ پاتھ پر بیٹھ گئے اور میں نے مروان کو کل کے منصوبے کی تفصیلات بتائیں جس پر ہم نے گزشتہ کل حقیقت سرزمین پر اتفاق کیا تھا ، یہاں تک کہ ہم اپنی ذمہ داریوں اور مقامات کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ گئے ۔

صبح روشن چمکدار تھی ، کامیابی اور توفیق کی بشارت دے رہی تھی ، ہمارے سامنے گاڑیاں ٹھہرتی اور چلتی رہی ، اور ہم ہنستے مسکراتے رہتے ، ہم تمنا کرتے رہتے کہ یہ ہمارا شکار ہوگا یا وہ ، جب گھڑی نے آٹھ بجنے میں دس منٹ باقی کا اشارہ دیا ، قریب کی فیکٹری میں کام کرنے والے مزدوروں میں سے ایک مزدور آیا ،اس نے دروازہ کھولا اور اپنے مقدر کا انتظار کرتے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہوگیا ، کچھ ہی لمحوں بعد موشے آیا، اس نے گودام کے سامنے گاڑی روکی اور اتراتے ہوئے اترا، زمین بمشکل اس کا بوجھ اٹھا رہی تھی کیوں نہ ہو ، وہ تو بقول ان کے ، خدا کے بیٹوں اور برتر چہیتوں میں سے تھا ، وہ ہمارے پاس اپنے بازو سینے پر باندھ کر کھڑا ہو گیا ، اور الفاظ بمشکل اس کے دانتوں کے درمیان سے نکل رہے تھے ، اس کے کچھ ہی دیر بعد ایرس ، جو گودام کی سیکریٹری تھی آئی، اس نے دروازہ کھولا اور اندر گئی، اس کے پیچھے موشے، میں اور مروان داخل ہوئے وہ دفتر میں داخل ہوئی ، وقت آ پہنچا تھا میں نے مروان کی طرف دیکھا، اور اس نے میری طرف دیکھا، اور ہماری نگاہیں ملیں اور آنکھوں نے اپنی زبان میں آغاز کی گونج پر سمجھوتہ کر لیا ، میں نے موشے کی طرف رخ کیا اور اسے ٹوٹی ہوئی ایسبیسٹ کے بارے میں بتایا اور کہا کہ میرے ساتھ آئے تاکہ وہ اسے دیکھ سکے ، وہ میرے پیچھے پیچھے آیا ، گودام کے آخر میں ایک لمبا راستہ تھا جو المونیم کے ٹکڑوں کے ڈھیر اور شیلفوں کے درمیان میں ہے جو اسے

اٹھائے ہوئے ہے ، راستے کے آخر میں ایک اور راستہ ہے جو ایک وقت میں صرف ایک شخص کے گزرنے کی گنجائش رکھتا ہے ، میں اس راستے میں داخل ہوا اور وہ میرے پیچھے آیا،اور میں مروان کا اس کے مدخل کے پاس انتظار کر رہا تھا ، اس نے بلندی سے " مکان کسر " کی طرف نظر ڈالی ، کچھ الفاظ بڑبڑاتے ہوئے مڑا ، اور چل پڑا اور میں بھی اس کے پیچھے چل دیا ، مروان گزرگاہ کے دروازے کے سامنے تھا اور میں اس کے پیچھے ، اور اس کے شانے کے اوپر سے ہماری آنکھیں چمک دمک اٹھی اور آغاز کا اشارہ دیتے ہوئے گھنٹی دوبارہ بجی ، میں نے چھری کو اپنے کپڑوں کے نیچے سے نکال کر اس کے کندھوں کے درمیان اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے گھونپ دیا، کہ کہیں وہ اپنی چیخ و پکار سے سب کو جمع نہ کردے ، اور مروان سامنے سے اس کے سینے اور پیٹ پر وار کرتے ہوئے ٹوٹ پڑا ، اس کے منہ پر ہتھیلیوں کی گرفت کے باوجود میں نے اس کی چیخ و پکار سنی ، جب وہ اپنے خون کے تالاب میں لت پت ہوا تو اچانک اسی لمحے ، ماضی کی دردناک یادیں تیزی سے ذہن میں گردش کرگئی — دادا کا پیر ، دادی کی ساعت، ہزاروں شہداء، دسیوں ہزار زخمی، کئی ٹن گیس بم، عیون قارہ ، قہوہ نوشی ، ٹھٹھا بازی ، مسخرگی ، شیخ کا زمین پر گر کر مسجد نا کہتے ہوئے چیخنا ، مجرم قابض کی لاٹھیوں سے توڑی گئی ہماری ماؤں کی ہڈیاں ، میں نے دفتر کی طرف دیکھا تو ایرس نے اپنا سر باہر نکالا تاکہ چیخ کا سبب دیکھ سکے ، اس نے مجھے اپنے سامنے دیکھا اور میری ہاتھ میں چھری دیکھ کر خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی، دروازہ بند کرنے کی کوشش کی اور ٹیلیفون کی طرف بڑھنے لگی ، میں نے دروازے کو زور سے دھکیلا ، وہ دروازے کے پیچھے زمین پر گر پڑی ، اس نے اپنی ٹانگ سے دفاع کی کوشش کی ، اور چھری اس کے پیٹ میں جا گھسی ، ہماری ماؤں کی ہڈیاں تمہارے فوجیوں کی لاٹھیوں سے توڑ دی گئیں، ہمارے بچے اپنی ماؤں کے رحم میں تمہاری زہریلی گیسوں سے مر رہے ہیں - اور وار پر وار کیے یہاں تک کہ اس کی آخری سانسیں ختم ہو گئیں ، لگتا ہے کہ پڑوس کی فیکٹری میں کام کرنے والے نے اس کی چیخیں سن لی چنانچہ وہ اپنی قسمت کو پہنچ گیا ، دروازے میں داخل ہوتے ہی اس نے پوچھا کیا ہوا؟! اسے جواب بخوبی سمجھ آگیا، تین لگاتار وار میری چھری سے اس کے سینے میں ہوئے، وہاں مروان بھی پہنچ گیا اور اس کے ساتھ مزید وار کیے ، مروان کی چھری نے میری ہاتھ کی ہتھیلی اور کلائی پر دو زخم دیے ، ہم نے اسے گودام کے اندر کھینچا جہاں مروان نے اسے پناہ گاہ کی تہہ میں پھینک دیا ، اس کے خون نے دروازے کے پاس والی زمین کو آلودہ کر دیا تھا جو ہمارے کام میں نئے لوگوں کی آمد کے وقت رکاوٹ ڈال سکتا تھا ، لہذا فوراً ہم نے زمین کو پانی

سے دھونا شروع کیا، لیکن وہ ایسی سرخی تھی جس نے دیوار کو لت پت کر دیا ، میں نے فون کے ریسیور اٹھائے اور ایلومینیم کے قینچی کو چلایا تاکہ آواز دب جائے ، یہ واضح ہونا شروع ہوگیا تھا کہ میرے ہاتھ کے زخم ہماری کام کی منصوبہ بندی کو تبدیل کرنے پر مجبور کریں گے کیونکہ میرا خون تیزی سے بہہ رہا تھا اور میں اسے روک نہیں سکتا تھا ، میں نہیں جانتا کہ ایسا کیسے ہوا ؟ اس وقت ہم نے اس جگہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا ، اس قسم کے کام میں یہ ہمارا پہلی تجربہ تھا اور شاید یہی وہ وجہ تھی جو ہمارے اس فیصلے کا سبب بنی ، اس دوران جب مروان بیرونی دروازہ بند کرنے کی کوشش کر رہا تھا ، میں گودام کی اندرونی دیوار پر کام کو سیاہ رنگ کے ڈبے سے لکھ رہا تھا، وہ چند الفاظ جو ہم نے کل رات اپنے آنے سے پہلے تیار کیے تھے اور لکھے تھے تاکہ کام کی جلدبازی یا خوف ہمیں انہیں بھولنے یا غلطی کرنے پر مجبور نہ کرے، بسم اللہ الرحمن الرحیم / حماس یہودیوں کو قتل کرنے کی ذمہ دار ہے، جو سور اور بندر کی اولاد ہیں حماس تحریک حماس کی چوتھی سالگرہ کے موقع پر قتل کی کارروائی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے / انتفاضہ کے شیخ احمد یاسین کو سلام و تعظیم ہو حماس / ، اور ہم نے دروازہ بند کیا اور دور نکل گئے۔

چوتھی فصل : شبِ زنداں ، طویل امید و ملاقات

میں اور مروان ابو کبیر کے مشہور علاقے میں گاڑیوں کے اسٹینڈ تک چلے ، اور یہاں ہمیں الگ ہونا پڑا کیونکہ اکٹھے رہنا خطرناک تھا ، اگر ہم میں سے کسی کو پکڑا جائے گا تو دوسرا بچ سکے گا ، کیونکہ یہ خبر یقینی طور پر دشمن کے سکیورٹی اداروں تک پہنچے گی اور وہ ہمیں تلاش کرنا شروع کر دیں گے ، مروان اسٹینڈ پر کھڑی ایک گاڑی میں سوار ہوگیا جو اسے لے کر روانہ ہوگئی ، اور میں بھی ایک دوسری گاڑی میں سوار ہو گیا جو کچھ دیر بعد مجھے غزہ کی طرف لے کر روانہ ہو گئی جہاں ہم اپنے معاملات کو لازمی طریقے سے نمٹا سکتے تھے ، یہ وہ آخری لمحات تھے جب میں نے بھائی مروان کو دیکھا، جو ایک سال سے زائد عرصے تک میرا ہمسفر رہا ، اس عرصے میں ہم نے دکھ اور امیدیں ایک ساتھ جھیلیں، ہم نے حماس کے جھنڈے تلے سپاہیوں کی طرح کام کیا، خطرات مول لیے، مشکلات کا سامنا کیا، مبارک انتفاضہ کے ذریعے اپنی قوم کی تحریک کی پیش قدمی پر ہم بہت خوش ہوئے اور ہم پر گزرے مشکل حالات پر دل اشک بار ہوئے ، مروان خون ، آگ، آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے سفر میں یہاں تک کہ خورد و نوش اور ہنسنے مسکرانے میں بھی میرا شریک تھا ، ہم جدا ہوگئے ، کیا ہم اس دنیا میں دوبارہ مل سکیں گے؟ بہرحال ، مجھے

یقین ہے کہ ہم ملیں گے ان شاء اللہ، اگر دنیوی زندگی میں نہیں تو جنت کے باغات میں بھائیوں کی طرح آمنے سامنے مسہریوں پر بیٹھیں گے ، مرسڈیز ٹیلسی مجھے لے کر زمین کو چیرتی ہوئی جا رہی تھی اور میرا ہاتھ اس خون میں ڈوبا ہوا تھا جو پلاسٹک بیگ میں جمع ہو رہا تھا جس میں میں نے اپنا ہاتھ ڈال رکھا تھا تاکہ خون کی وجہ سے کوئی مجھے پہچان نہ لے جو مروان کے چاقو سے لگے میرے ہاتھ کے زخموں سے بہہ رہا تھا ، تاکہ یہ زخم قربت و ہمدمی کا شاہد اور ایک ایسے مجاہد بھائی کی یادگار ہو جس کی شکل و صورت بھی میرے خیالات سے محو نہ ہوگی ، میرا ہاتھ خون میں ڈوبا ہوا اس مربع بیگ میں تھا جو میری جیب میں تھی ، حالیکہ گاڑی چل رہی تھی، جبکہ میں سوچوں اور یادوں میں غرق تھا ، میرے اندر ترقی و مسرت کے ایک احساس نے مجھے گھیر رکھا تھا ، اس وقت میں محسوس کر رہا تھا کہ میں نے اپنی تحریک کے چوتھی سالگرہ کے موقع پر اپنی تحریک کی جانب سے اور اپنے بھائیوں کی جانب سے پاکیزہ محبوب وطن فلسطین اور بڑے وطنِ اسلامی پر میں نے جو ضروری سمجھا تھا وہ پورا کر دیا تھا ، میرے بھائیوں کے دل خوشی سے جھوم اٹھیں گے جب انہیں چوتھی سالگرہ کے موقع پر ان کی تحریک کے لیے اور میری جماعت کے تمام افراد اور میرے قضیے کی جانب سے میری پیشکش کی بابت خبر پہنچے گی ، میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق ان کے انتقام ، ان کے زخموں اور ان ہڈیوں کا بدلہ لے لیا جو ظالموں کی لاٹھیوں سے توڑی گئی تھی ، لیکن اس احساسِ فتح یابی کے ساتھ ایک متضاد جذبہ بھی میرے دل کو چھید رہا تھا ، " صرف تین تین ؟ " اس کمی کے احساس کی وجہ سے اس کی شریانیں کٹ رہی تھیں ، میری خواہش تھی کہ یہ تعداد دس سے تجاوز کر جائے ، پھر یہ کونسی پریشانی کی بات ہے ؟ میں غزہ واپس جا رہا ہوں تاکہ رزق حاصل کر سکوں، یہ کونسی پریشانی کی بات ہے؟ مجھے شہادت کا شرف حاصل نہیں ہوا، میری اس بابت دعا کا جواب نہیں ملا ، اور مجھے ان الفاظ و کلماتِ کی تصویر دلاسا دیتی جو میں نے دیوار پر سیاہ پینٹ سے لکھے تھے ، میرے خیال میں ان الفاظ کا مطلب دس یا بیس کو قتل کرنے سے زیادہ طاقتور اور بلیغ تھا ، مجھے پورا یقین تھا کہ یہ کلمات ان کے دلوں کو غیظ و غضب کینہ و حسد سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے ، جب وہ یہ حقیقت ان پر ہویدا ہوگی کہ ہمارا یہ ہاتھ ان کو بالکل اطمینان کے ساتھ اور اللہ کی نصرت و تائید پر یقین رکھتے ہوئے ان کے گھر میں ذبح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، بلکہ یہ ہاتھ مکمل سکون و اطمینان کے ساتھ حماس کے نعرے لکھنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے ، اور ان احساسات کو وہ بہتا ہوا خون جس نے میرے ہاتھ کی ہتھیلی کو ڈبو رکھا ہے اور وہ زخم جس نے اللہ کی راہ میں اسے

گھائل کر رکھا ہے ، مزید ہلکا کر دیتے ہیں ، یہ میرا خون ہے جو بہہ رہا ہے اور یہ میرا زخم ہے جو جہاد و قربانی کی راہ میں رس رہا ہے ، اگر مجھے شہادت نصیب نہیں ہوئی، تو یہ میرا خون ہے جو دوسری بار بہہ چکا ہے ، حالیکہ میں حق کا پرچم ، قرآن کا علم ، حماس کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں ، اللہ کا شکر ہے کہ یہ خون اس مبارک فوج کی لازمی خدمت کے دوران اور اس شاندار جماعت کے تئیں بہا ، یہ میرا خون ہے اور یہ میرے زخم ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ میرے لیے گواہی دیں گے جب میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں گا کہ میں نے راہِ شہادت و جہاد میں قدم بڑھایا تھا اور جو کچھ مجھ پر فرض تھا وہ ادا کیا تھا ، میری چاہت ہے کہ یہ بروزِ زخم قیامت اسی طرح کھلے ہوئے آئیں جیسے وہ فی الحال ہیں ، خون ان میں تر و تازہ ہو جو اس کے بعد خشک نہ ہو ، جس کا رنگ اور خوشبو مشک کی خوشبو ہو ان شاءاللہ تعالیٰ ، اور یہ میرے لیے میرے رب کے سامنے گواہی کے لیے کافی ہے ، اس بات نے مجھے ان خیالات و احساسات سے نکال دیا۔

گاڑی رک گئی تاکہ میں توجہ دوں کہ ہم ایریز کے علاقے میں دائمی چیک پوائنٹ سے صرف چند میٹر کے فاصلے پر ہیں اچانک میں کیا دیکھتا ہوں کہ علاقہ فوجیوں اور خفیہ ایجنسی کے اہلکاروں اور غزہ کی طرف آنے والی گاڑیوں کے تفتیشی اہلکاروں سے بھرا ہوا ہے ، جو تفتیش انتہائی سخت اور غیر معمولی اقدامات کے تحت سر انجام دی جا رہی ہے ، میں نے فوراً محسوس کیا کہ معاملہ دریافت ہو چکا ہے ، ضرور کسی نے گودام جا کر دیکھ لیا ہوگا اور جو کچھ ہوا اس کی پولیس کو اطلاع دی ہوگی ، گاڑی رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہی تھی ،میرے اور ان فوجیوں کے درمیان جو گاڑیوں کی تلاشی لے رہے تھے ، شناختی کارڈز اور سواروں کی جانچ پڑتال کر رہے تھے ، صرف تین گاڑیاں رہ گئی تھیں ، جن میں سے ایک گاڑی میں وہ تھا جس کو تلاشا جا رہا تھا ، مجھے کیا کرنا چاہیے ؟؟مسافروں اور ڈرائیور کی بے کلی و اضطراب کے سامنے میں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور تیزی سے نکل کر دوسری راہ پر شمال کی جانب اندر کی طرف جانے والی سڑک پر دوبارہ چل پڑا ، مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسے ہوا اور فوجیوں نے مجھے کیسے نہیں دیکھا ، شاید اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا تاکہ میں تل ابیب جانے والی گاڑی دوبارہ پکڑ سکوں ، نئی گاڑی مجھے لے کر تیزی سے فراٹے بھرتے ہوئے سمتِ مخالف چل پڑی اور غزہ جانے والی سڑک کے کنارے فوجیوں نے گاڑیوں کو روک کر ان کی تلاشی لینا اور اس کے مسافروں کی شناخت کے بارے میں اشرف کی جستجو میں چھان پھٹک کرنا شروع کر دیا تھا ، مجھے تیزی سے سوچنا تھا اور ایک فیصلہ کن

فیصلہ کرنا تھا کہ کہاں جاؤں ؟ زیادہ دیر نہ لگی کہ میں نے سوچا کہ مغربی کنارے پر جاؤں ، کیونکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ میں وہاں ہوں ، لیکن کہاں ؟ جہاں میں کچھ نہیں جانتا، کیونکہ میں نے آج سے پہلے بھی وہاں کا سفر نہیں کیا ، میری خالہ کے گھر ! لیکن مجھے اس کا پتہ نہیں معلوم ، تو ایک ایسی جگہ جسے میں نہیں جانتا لیکن سب جانتے ہیں، خاص طور پر سب ڈرائیور، رام اللہ کے انسٹی ٹیوٹ جہاں میرا بھائی ادہم پڑھتا ہے، وہ وہاں معاملہ سنبھال لے گا ، اس کے بعد میں نے ڈرائیور سے کہا کہ مجھے رام اللہ لے چلو، اور گاڑی تل ابیب سے مشرق کی جانب مغربی کنارے کی طرف روانہ ہو گئی ، راستے میں میں ایک اور گاڑی میں منتقل ہو گیا جو رام اللہ جا رہی تھی ، دوسری گاڑی بھی روانہ ہو گئی ، آپ سوچتے ہوں گے کہ مروان اب کہاں ہو گا ؟ کیا وہ جان خلاصی ہو کر غزہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ؟ میری امید ہے کہ ایسا ہی ہو ،یہ غزہ تو کچھ اور ہے، اپنے رقبے کے لحاظ سے چھوٹا ہے، لیکن یہ ایک بے قاعدہ کنواں ہے ، اگر مروان غزہ پہنچ گیا تو زمین پھٹ جائے گی اور اسے نگل لے گی، اور وہ اسے ہر گز نہیں پکڑ سکیں گے چاہے کچھ بھی ہو ، کیا میں بھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں گا ؟ کوئی شک نہیں کہ یہاں حالات غزہ کے راستے کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہوں گے جب تک کہ اللہ کوئی فیصلہ نہیں کر دیتا جو ہو کر رہنے والا ہے ، رام اللہ کے وسط میں گاڑی رک گئی، جہاں میں پہلی بار داخل ہوا تھا ، تاکہ میں انسٹی ٹیوٹ کی طرف جانے والی ایک اور گاڑی میں روانہ ہو سکوں ، گاڑی مجھے بیرونی دروازے پر اتار کر چلی گئی ، میں دروازے کے پاس دربان کے کمرے کی طرف بڑھا، میرا ہاتھ تھیلی میں تھا اور تھیلی میری جیب میں تھی ، یا اللہ، یہ کون سا قانون ہے، تمہارا قانون؟ انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہونے والے کو اپنا نام اور اندر جس سے ملنا ہو اس شخص کا نام لکھوانا ہوتا تھا ، میرا نام کا لکھوانا یہ ایک بڑی غلطی تھی بلکہ میری زندگی کی ایک بہت بڑی غلطی تھی، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حالات اتنے خطرناک ہیں ، دربان کے چہرے پر پریشانی ظاہر تھی ، وہ اس وقت جمعہ کی نماز ادا کر رہے تھے ، میں نے اسے مختصراً صورتحال سے آگاہ کیا ، تاکہ وہ اپنی زندگی کا سب سے مشکل مسئلہ ملاحظہ کرسکے ، اس کے چہرے پر حیرت نمایاں تھی، اور ایک عجیب سی سکون و اطمینان کی کیفیت مجھ پہ چھا رہی تھی ، کیوں کہ یہ معاملہ میرے لیے اہمیت نہیں رکھتا تھا ، ادہم معہد کی راہداریوں میں گھوم رہا تھا ، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے، اور میں اس کے پیچھے تھا ، بہت سے انسٹی ٹیوٹ کے طلباء اور زائرین نے ہمیں دیکھا کہ وہ کیا کر رہا ہے ؟ وہ کیا کر رہا ہے ؟ آخر کار اس نے مجھے ایک کمرے میں بیٹھنے کا کہا اور وہ چلا

گیا! انتظار طویل ہوگیا اور آخر کار ایک نوجوان آیا جس کا نام میں نے بعد میں (دیاب) جانا ، لیکن مزید کچھ نہیں جان سکا ، میں نے اس کے ساتھ معہد سے باہر کا سفر کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر نکل پڑے ، زخموں کی جلد از جلد مرہم پٹی کے بعد میں اپنی زندگی کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگیا ، جو اپنی سختی اور زندگی کی صلابت کے باوجود مزیدار تھا ، یہ میری زندگی کا ایک مختصر دو ماہ کا عرصہ تھا، لیکن درد و آلام ، صبر و مصابرت کے شوق و لذت کے معانی سے بھرپور تھا ، ان لوگوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے آرام و آسودگی ، نیند اور خورد و نوش سے اپنے آپ کو محروم رکھا تاکہ مجھے بہم پہنچائیں ، وہ مرحلہ بہت ہی حسین تھا ، خوشگوار و شائستہ انسانیت کے معانی سے بھرپور ، پائندہ اور خوبصورت تھا ،گاڑی چل پڑی ، مجھے اس ڈرائیور کے سکون و اطمینان کے احساس نے گھیر رکھا تھا جو میرے پاس میں بیٹھا تھا ، حالانکہ میں نے اس کا چہرہ اس دن سے پہلے نہیں دیکھا تھا ، لیکن میرا دل محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کے دل کو بخوبی جانتا ہے ، مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی ، کیونکہ ہمارے دل حماس کے جھنڈے تلے باہم شناسا ، باہم متحد و ہم آغوش تھے ، گاڑی تیزی سے ان پیچدار و خمدار سڑکوں پر چل رہی تھی ، ان پہاڑی راستوں پر جو میں پہلی بار دیکھ رہا تھا کبھی دائیں تو کبھی بائیں مڑتی ، اور مجھے سمت کا علم نہیں تھا ، رام اللہ کے اطراف میں ایک سنسان جگہ پر گاڑی ایک ویران گھر کے پاس ٹھہری ، اور میں اتر گیا ، جہاں دیاب نے اگلی صبح ملاقات کی امید کے ساتھ مجھے الوداع کہا ، تاریکی کائنات پر چھا چکی تھی جس وقت گاڑی مجھے نئی رہائش گاہ میں اس سنسان جگہ میں جہاں میں اس سے قبل نہیں گیا تھا ، اپنا ٹھکانا پالینے کے بعد چھوڑ کر چلی گئی تھی ، دور دور تک بابرکت زیتون کے درختوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کی بلندی کو تاریکی نے ڈھانپ رکھا تھا ، اس شاعرانہ فضا میں خیالات اور یادیں انسان کو خوشگوار لگتی ہیں، لیکن ایک طویل، پر مشقت ، بھرپور دن کے بعد نیند کا غلبہ زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔

صبح سویرے دوبارہ گاڑی ایک نئے سمت میں روانہ ہوئی، تاکہ میں مسجد البیرہ میں جا سکوں ، میں نے مسجد میں دوپہر کے بعد تک انتظار کیا ، پھر گاڑی ایک نئی سمت میں پہاڑوں، وادیوں، اور زیتون کے درختوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے اس گاؤں کی طرف چل پڑتی ہے جس کا نام میں نے بعد میں دیر غسانہ جانا ، میں نے اس میں اپنی اس تجرباتی زندگی کا طویل ترین عرصہ ، بے گھر ، پُرعزم اور اپنی قسمت کی بابت اللہ کی حکمت پر مطمئن ہو کر ، دیر غسانہ کی چٹانوں اور

زیتون کے درمیان، دور دراز گھروں اور اس کی ہمدرد و غم گسار مسجد کے درمیان گزارا، تقریباً میں نے اپنی زندگی کے چالیس دن وہاں گزارے جہاں میں نے صبر و مصابرت کے مفہوم کا ذائقہ چکھا، میں نے دیکھا کہ اللہ کی نگہبانی مجھے محفوظ رکھتی ہے، اور میری حفاظت کرتی ہے جبکہ قابض فوج مجھ سے صرف بیس سینٹی میٹر کی دوری پر کھڑی ہے ، یہ سمک الجدار ہے(Wall thickness) وہ مجھے اور میرے جیسے قابض فوج کو بیشتر مطلوبین کو تلاش کرتے رہتے ہیں ، اور میں نے اس میں فلسطین القدس، زمین اور زیتون کی عظیم محبت محسوس کی ، اے قوم و جماعت خاندان و اہل اور پرچم و علم کے فلسطین !!! میں نے ان آنکھوں میں پاکیزہ محبت دیکھی جو میری راحت کے لیے دیر رات تک جاگتی رہیں، اور خطرات کا سامنا کر کے مجھے تر و تازہ ، خوشگوار آب و خورش مجھ تک پہنچاتی رہیں ، یا اللہ، وہ دن باوجود اپنی سختی تنگی کے خوبصورت تھے ، اور وہ عظیم ،دریا دل اور وفادار لوگ کچھ اور ہی تھے ، الفاظ ان کا حق ادا نہیں کر سکتے، باقی یہ کلمات ان کا حق تھا ، یہی ہیں وہ پیارے لوگ جن کی آنکھوں میں میں نے پاکیزہ محبت ، حماس ، زیتون ، القدس، آزادی ، اور جنت دیکھی ، ان دنوں کی یادیں خوبصورت اور عزیز ہیں، اور انہیں سپرد قرطاس کرنا ضروری ہے ، اگرچہ انہیں دوسری کتابوں میں بھی ہمیشہ کے لیے لکھ دیا گیا ہے، جنہیں مٹایا نہیں جائے گا ، جو رب العالمین کے پاس نوشتۂ تقدیر میں ناموں ، نمبرات ، اور تفصیلات کے ساتھ مرقوم ہیں ، یا اللہ ! ان ایام کی یادیں کس قدر شاندار و پر رونق ، شاداب و خوبصورت ، سنگین ، اور رسی بسی تھیں ۔

ان دنوں میں سے کسی دن ایک ہیلی کاپٹر اس جگہ پر اُڑان بھر رہا تھا، واضح تھا کہ وہ میری یا میرے جیسے لوگوں کی تلاش میں ہے ، فوجی گاڑیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور فوجیوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں ، مجھے فوراً چھپنا ضروری تھا ، لیکن کہاں چھپتا ؟ اچانک ان کی بندوقوں نے بے انتہا شعلہ باری شروع کردی ، کیا وہ آخری لمحہ آ پہنچا تھا ؟ اگلے لمحے میرے لیے کیا آنے والا تھا ؟ اچانک جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو ، ہیلی کاپٹر دور چلا گیا اور دشمن کی گاڑیاں بھی روانہ ہو گئیں ، چند سو میٹر کے فاصلے پر ہی انہوں نے ان میں سے ایک مطلوب شخص کو گرفتار کر لیا جو اس علاقے میں چھپے ہوا تھا ، اس کے بعد ہیلی کاپٹر کی گولیاں اس گاڑی پر تیزی سے چلنے لگی جس میں وہ اور اس کا ساتھی سفر کر رہے تھے ، گاڑی سڑک کے کنارے لڑھک گئی، اس کے بعد انہوں نے زخمیوں کو پکڑ لیا ، شاید کہ وہ چیز جو صورتحال کو مزید مشکل اور سخت بنا رہی

تھی، وہ یہ تھی کہ یہ سب اس وقت ہوا جب مغربی کنارے اور غزہ دونوں میں مکمل کرفیو نافذ تھا، کیونکہ یہ واقعہ خلیجی جنگ کے دوران پیش آیا تھا، جہاں میں نے اپنے دیگر بھائیوں اور اہل کی طرح ان ایام کی سختی کو جھیلا تھا، ایک بار کرفیو ایک گھنٹے کے لیے اٹھا لیا گیا تاکہ لوگ اپنی ضروریات زندگی کے لیے نکل سکیں، پس جب میری ضرورت، میرا رسد اور میری راحت ان کی اولیں ضرورت ان کے بچوں ان کی جانوں سے پہلے ہے تو یہ کیسے پیارے لوگ ہیں! یہ کیسا تعلق ہے! یہ حماس کے جھنڈے تلے لوجہ اللہ اخوت کا ربط و رابطہ ہے۔

میں رام اللہ منتقل ہو گیا تاکہ میں پیارے بھائی یحیٰ نمر کے گھر میں رہائش اختیار کر سکوں، میں انہیں پہلے نہیں جانتا تھا، لیکن جلد ہی میں ان سے مانوس ہو گیا، میں نے اپنے دل کو پایا کہ وہ انہیں پہلے سے جانتا ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ سورہ مریم کی آیات کو حفظ کرنے کی کوشش کرتے تھے، میں نے ان کے گھر میں ان کے پاس خوبصورت لمحات گزارے، وہ اکثر مجھے اکیلا چھوڑ کر اپنے کارخانے (لوہے کا کارخانہ) پر چلے جاتے، میں نے ان کی آغوش یعنی بھائی یحیٰ کے گھر میں راحت اور سکون، شفقت اور حرارت کا مزہ چکھا، اس وقت غزہ میں داخل ہونا ناممکن تھا، کیونکہ غزہ پر چالیس دن سے زیادہ کا کرفیو نافذ تھا اور وہاں جانا اپنے سر کو شیر کے جبڑوں میں ڈالنے کے مترادف تھا، غزہ میں داخل ہونے کا مطلب بہت کچھ تھا، حالانکہ وہاں بہت سے وسائل موجود تھے، میرے بھائیوں کے پاس بہت سے وسائل تھے جو مجھے نئی سمت کی وضاحت اور آسانی سے بہتر سوچنے میں مدد دیتے تھے، ان میں سے ایک آسان ترین انتخاب یہ تھا کہ میں ان میں سے کسی ایک کے ذریعے سرحد پار مصر چلا جاؤں تاکہ میں وہاں مزید وسائل و اسالیب سے تکمیل کا راستہ پا سکوں۔

اس واقعہ کے اثر سے دشمن کا پاگل پن بڑھ گیا اور ان کے ہوش اڑ گئے، ان کی ریڈیو اسٹیشنز نے لگاتار خبریں نشر کرنا شروع کر دیا تھا، ان کی تعبیر کے مطابق (یہ ضرب) تحریک کی جانب سے اور ہر اس شخص کی جانب سے ہے جو اس تحریک سے ادنی سا تعلق بھی رکھتا ہو، ہر اس شخص کو گرفتار کیا جا رہا تھا جس کا تحریک حماس سے کوئی معمولی سا تعلق بھی ہو سکتا تھا، گرفتار شدگان کی تعداد رفتہ رفتہ دو یا تین دن میں بڑھ کر ایک ہزار چھ سو گرفتار شدگان تک پہنچنا شروع ہو گئی تھی، ان کی کارروائیوں اور گرفتار کرنے کے طریقوں سے واضح تھا کہ بلاشبہ یہ ایک جنونی اور بے قابو حملہ تھا جو ان پر پیش آنے والے حیرت انگیز واقعے کے باعث تھا، اور

یہ کہ وہ اس مطلوبہ دہشتگردی کے ذریعے اس شاندار عمل کی خوشی اور عظمت کو چوسنا ، کم کرنا چاہتے ہیں ، جس نے ان کی عقلیں اڑا رکھی تھی ، اور پھر مسخ شدہ ریاست کے رہنماؤں کی جانب سے حماس اور اس کے قائدین کے نام جنونی بیانات میں اضافہ ہوگیا ، جبکہ ہمارا ہیرو ایک پناہ گاہ سے دوسری پناہ گاہ منتقل ہو رہا تھا ، انہوں نے اشرف کے بھائی ادھم کو سنیچر کی اگلی صبح انسٹی ٹیوٹ سے گرفتار کر لیا ، گرفتاریوں اور تحقیقات کا تانتا بندھ گیا ، " اللہ جب کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ ہو کر رہتا ہے ، اور اس کی تقدیرِ خیر بلاشبہ نافذ ہو کر رہتی ہے " انہوں نے اپنی تحقیقات کے دوران انٹیلی جنس کے ذریعے ہمارے آخری ہیرو کا ٹھکانہ بھائی یحیٰ کے گھر میں ڈھونڈ نکالا ، اس کے بعد انہوں نے بھائی دیاب کو بھی جائے نزول سے تقریباً ایک ہفتے بعد گرفتار کر لیا ، ہیرو کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوا ، گھر پر سینکڑوں فوجیوں نے چھاپہ مارا، تاکہ وہ ہمارے ہیرو کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر ، ہاتھوں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر ایک گاڑی سے دوسری گاڑی ، ایک جیل سے دوسری جیل ، ایک تفتیش سے دوسری تفتیش، اور ایک دفتر سے دوسرے دفتر منتقل کر سکیں ، اس کے ہاتھوں پر ہتھکڑیاں اور سر پر بوری ڈال دی گئی، اور اس کے سیل کے دروازے پر تالے لگ گئے ، جیل کے محافظ اس کی دور سے نگرانی کرتے تھے، ان کی آنکھیں غصے سے جل بھن رہی تھیں ، لیکن قریب آنے کی جرات نہیں کرتے تھے ، تاکہ وہ سینکڑوں تحقیقات کا وقت جو تقریباً تین ماہ تھا گزارے ، اس نے اس میں ہمارے مجاہد نے قوم کے دسیوں ہزاروں افراد کے مانند جیلوں اور تفتیشی مراکز میں وقت گزارا ، پھر اسے رام اللہ جیل سے عسقلان جیل، پھر غزہ جیل، پھر دوبارہ عسقلان، ابو کبیر، حلوان، اور پھر ابو کبیر بھیجا گیا ، ہمارا ہیرو سر بفلک سنافور یا باغ کے کھجور کے درختوں کی طرح دشمن کی عدالت کے سامنے پیش ہوا ، تاکہ وہ اس کے حق میں تین مرتبہ عمر قید کا فیصلہ صادر کرے ، اور استغاثہ نے اپنے حق کو محفوظ کر لیا کہ اگر حکومت نے پھانسی کا فیصلہ کیا تو وہ اپیل کریں گے ، آخرکار اسے صبر و ثابت قدمی اور استقامت کے قلعے " رملہ جیل " میں منتقل کر دیا جاتا ہے ،جہاں ثابت قدم ، محافظ اور سرکردہ شہسوار کو خاص سیکشن یعنی حماس کے علیحدہ سیکشن میں رکھا جاتا ہے جسے انہوں نے اس کے دیگر مجاہد بھائیوں کے لیے پہلے سے تیار کر رکھا تھا ، وہ یہاں حیات نو کے ساتھ اور ان نئے بھائیوں کے درمیان جن کے متعلق اس نے بہت کم سنا تھا ایک نئے سفر کا آغاز کرتا ہے ، اس کی تمنا تھی کہ وہ ان کے بارے میں جانے ، لیکن اب وہ خود ہی آگیا ہے تاکہ ان کے بارے میں اور ان کی تحریک کے متعلق بہت کچھ جان سکے اور ان کے ساتھ جینے

لگا ہے ،تا کہ وہ ان کے ساتھ آزادی کے بلند و بالا لہراتے پرچم تلے آنے والے تابندہ درخشندہ مستقبل کے لیے درد و آلام ، امید و مسکراہٹ کو جیے سہے - اللہ تعالیٰ کی قریب ترین نصرت و مدد پر کامل ترین یقین ہے ، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے کے خلاف نہیں کیا کرتا ہے - تاکہ وہ ایک بار پھر اپنی مشفق و مہربان والدہ سے دریچۂ زیارت پر امید و عزت ، فخر و افتخار اور زندگی میں اپنے خون پسینے کی کمائی کا پہلا نتیجہ یعنی زندگی میں پہلی بار حاصل کردہ روپیوں کو سپرد کرنے والے چھوٹے اشرف کی یادوں کی مسکراہٹوں کے درمیان ملاقات کرسکے ، تاکہ سبھی کو یہ یقین ہو جائے کہ محنت کا پھل ضرور ملتا ہے ، اگرچہ یہ بصیرت کی کمی یا کوتاہ نظری کی وجہ سے بعید معلوم ہو ، اور تاکہ ماں جیسی معلمہ اپنے کپڑے ، مسکراہٹیں اور آنسو سمیٹ سکے ، اگر آنسو کا ذکر کرنا درست ہے تو، واپس سنافور کی طرف لوٹ جائے ، اسے اشرف کا سلام پہنچایئے ، اور اس کو وہ سبق یاد دلائیں جس کو اس کے چھوٹے شاگرد سے اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے ، کہ صرف کھڑا رہنا ، بلند ہونا اور جگہ پر قائم رہنا کافی نہیں ، بلکہ ہر روز ایک قدم آگے بڑھنا بھی ضروری ہے -

اختتامیہ : آخری معذرت

اللہ عزوجل نے چاہا کہ وہ ان کے چہرے سے نقاب اٹھا دے ، لہذا کوئی حرج نہیں کہ میں اپنے آخری الفاظ تحریر کر دوں-

ایک بار پھر مجھے شرف و اعزاز عطا کرتی ہے یہ بات کہ میں نے حماس کے شہسواروں کے میدانِ کارزار کی اس قسط کو تحریر کیا ہے ، اولا : شہسواروں کے استاذ قائد و رہنما سے بے انتہا معذرت ، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے ان کے حق میں اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا ہے ، ثانیا: شہسوار دستے کے سپاہیوں سے معذرت، ممکن ہے کہ میں ان کے جذبات، احساسات اور خیالات کو بیان نہ کر سکا ہوں ، اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا قلم اس سے عاجز و قاصر ہے ثالثاً: شہسوار اشرف ابو حمزہ سے معذرت، جن کے بارے میں میں نے جو کچھ لکھا ، ان کی مرضی کے خلاف لکھا ، حالانکہ وہ آخری لمحے تک مجھے ، دین ، وطن اور امت کے حوالے سے کوتاہی کا احساس کرتے ہوئے اور اس خوف سے کہ رب العالمین کے یہاں ان کا اجر کہیں کم نہ ہو جائے اس سے روکنے کی کوشش کرتے رہے ، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ان عظیم معانی و جذبات کا اظہار نہ کر سکا ہوں اور نہ کر سکوں گا جو ہمارے پیارے سپاہی

نے تاریخ اور اس مرحلے کو زندہ کرنے کے لیے پیش کیے ہیں ، اور آخر میں پیارے شہسوار مروان سے معذرت ، امید ہے کہ میں ان سے جلد ہی بلند و بالا حماس کے ربانی پرچم تلے ، عزت و وقار کے میدانوں میں ملاقات کروں گا ، تاکہ ان کے لیے شہسواروں کی قسطوں میں سے ایک اور خاص قسط رب العالمین کی رضا سے تحریر کر سکوں اور تمام شہ سواروں کو محبت، سلام اور دعا پیش کرتا ہوں۔

رملہ جیل ، حماس کا علیحدہ سیکشن / ۹ جون ۱۹۹۱ / آدھی رات کے بعد دوسرا پہر

آپ کا بھائی، ابو ابراہیم۔

فارس کی ذاتی معلومات

نام : أشرف حسن یوسف البعلوجی .

کنیت : ابو حمزہ .

تاریخ پیدائش : ۱۷ فروری ۱۹۷۲ .

پرانا پتہ : غزہ التفاح – المزلقان .

موجودہ پتہ : رملہ جیل ، حماس کا علیحدہ سیکشن .

تحریک میں مدت شمولیت : دو سال.

تعلیمی قابلیت : دوسرا سال ثانوی گھر پر - پہلا سال جیل میں .

سزا : ۳ بار عمر قید .

پیشہ : طالب علم – مزدور .

آبائی شہر : بئر السبع .

سابقہ خفیہ نام : کوئی نہیں

زندگی میں سب سے مؤثر شخصیت : شیخ احمد یاسین ، حالانکہ ان سے بھی ملاقات نہیں ہوئی .

آپ کی خواہش : اللہ کی راہ میں شہادت ہماری سب سے بڑی خواہش ہے .

زندگی میں آپ کا شعار و نعرہ : موت کی خواہش کرو ، تمہیں زندگی ملے گی .

اپنی جماعت کے لوگوں کے لیے نصیحت : جہاد جہاد یہی قرآن کے ساتھ واحد راستہ ہے .

والسلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ